عہدِ حیدرآباد

یعنی

عہد عثمانی میں حیدرآباد دکن کی ترقیوں کا اجمالی بیان

ترتیب و تالیف

جانکی پرشاد

سنہ ۱۳۵۲ ہجری م سنہ ۱۳۴۴ ف م سنہ ۱۹۳۴ عیسوی

مطبع اعظم اسٹیم پریس چار مینار

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عصرِ جدید

تمہید

دکھن یا دکھشن کے نام سے پہلے پہل ہم اُس وقت واقف ہوئے جب کہ رام مہاراج، اپنی محبوبہ بیوی سیتا دیوی کے ساتھ، بن باس کاٹنے، سلسلۂ ست پُڑا اور کوہ بندھیاچل کی گھاٹیوں کو ٹھکراتے، بناس پتی کھاتے اور جنگلی پھلوں سے پیٹ بھرتے ہوئے، اُس سطح مرتفع پر آپہنچے جہاں اُن کی محبوبہ کے دفعۃً گم ہونے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ اِس بے کس قافلے کے دردناک سفر اور ہولناک حوادث کی یادگاریں یہاں کے دو میوے سیتا پھل اور رام پھل ہیں جو آج تک اِن قدیم تاریخی افسانوں کو زندگی بخش رہے ہیں۔ مقدم الذکر میوہ بہت کثرت سے دکن کے جنگلوں میں خودرو پیدا اور بے حد شیریں و لذیذ ہوتا ہے۔ القصہ آریائی دور میں دکھن یا دکھشن بلا امتیاز جنوبی ہند کو کہتے تھے۔

دوبارہ دکن کے لفظ سے ہم اسلامی تاریخوں میں دوچار ہوتے ہیں جہاں دکن ایک سیاسی اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے اور مفہوم میں وہ رقبۂ سلطنت داخل تھا جو شہنشاہ ہند کے قلمرو کے جنوب میں واقع تھا؛ چنانچہ حکومت مغلیہ

جو ہندوستان کی سب سے آخری سلطنت تھی اُس کے دو شہزادے یکے بعد دیگرے صوبہ داری دکن کا فرمان شہنشاہ مغلیہ سے حاصل کرکے دکن کی سرزمین کے بعض حصّوں پر سلطنت مغلیہ کا نظم و نسق قائم کرچکے ہیں، یعنی شہزادۂ خرّم الملقب بہ شاہ جہاں اور شہزادۂ عالمگیر جو شاہ جہاں کے بعد محی الدین اورنگ زیب کے لقب کے ساتھ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ مگر جغرافی حدود کے اعتبار سے اُس وقت صوبۂ دکن اتنا وسیع نہ تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے دور حکومت میں دکن کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں پر مسلسل فتوحات حاصل کرکے صوبہ داری دکن کو اتنا وسیع و عریض کردیا کہ سطح مرتفع دکن کا جزءِ اعظم سلطنت مغلیہ میں شامل ہوگیا۔ اس دور میں ملک دکن کا اطلاق برار، خاندیس، تلنگانہ، دولت آباد، گولکنڈہ اور بیجا پور کے چھ صوبوں پر ہوتا تھا اور انھی چھ صوبوں کی سرکار کا حکمران شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا چھوٹا بیٹا سلطان کام بخش ہوا؛ اس کے بعد جتنے مغلیہ امرائے دربار، صوبہ دار دکن بنا کر بھیجے گئے اُنھوں نے کم و بیش اسی حدودِ اراضی پر حکومت کی جس میں علاقہ مدراس و ارکاٹ بھی شامل ہوگیا تھا۔

سہ بارہ دکن کا لفظ ہم اپنی ابد مدت آصف جاہی سلطنت کے تاریخی اور سیاسی ادب میں پڑھتے ہیں جہاں دکن سے مراد سطح مرتفع دکن صرف وہ حصّہ ہے جو ریاست حیدرآباد فرخندہ بنیاد کہلاتا ہے۔ اس کا کل رقبہ ۸۲ ہزار مربع میل سے زیادہ، آمدنی، کروڑ سے ۸ کروڑ تک وصول ہوتی ہے اور پورے ممالک محروسہ کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے کم نہیں ہے جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی اور عیسائی باہم شیر و شکر آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔

اُس زمانے میں جب کہ مغلیہ سلطنت آہستہ آہستہ کمزور ہورہی تھی، روشن اختر محمد شاہ بادشاہ دہلی نے نواب نظام الملک آصف جاہ اوّل کو جو

صوبہ داری مالوہ پر سرفراز تھے، صوبہ داری دکن کا پروانہ عطا کیا اور بعد ازاں اپنی
سلطنت کا وزیر اعظم بنایا۔ لیکن نادر شاہ کے مشہورِ زمانہ حملے اور دہلی کی سفاکانہ
لوٹ کے بعد حضرت مغفرت مآب، نواب آصف جاہ اول، نے دکن کا
رخ کیا اور اپنے پایۂ تخت اورنگ آباد میں حکومت شروع کی؛ یہیں سے
سلطنت آصف جاہی کی خودمختاری کا آغاز ہوتا ہے اور اسی سلسلۃ الذہب
کی ساتویں کڑی ہمارے بادشاہ جم جاہ ہز اگزالٹڈ ہائنس مظفر الملک والممالک،
نظام الدولہ، نظام الملک، نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر، فتح جنگ،
آصف جاہ سابع، جی۔ سی۔ ایس۔ آئی، جی۔ بی۔ ای، یار وفادار
حکومت برطانیہ، فرمانروائے ملک دکن ہیں۔

قبل اس کے کہ ہز اگزالٹڈ ہائنس کے مبارک دور کی ترقیوں اور ملکی
خوش حالی پر تبصرہ کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خاندان والاشان
کی اُن ابتدائی خصوصیتوں کا اظہار کیا جاوے جن کے بغیر غالباً یہ تذکرۂ جمیل
نا تمام رہ جائے گا اور وہ یہ کہ اگرچہ انسان کی ذاتی قابلیت بہت بڑی حد
تک اُس کی فضیلت کی ضامن ہے مگر مغزِ انسانی کے نازک نازک پیچ و خم
اور اس محدود کاسۂ سر میں خیال کی گہرائیاں اور فکر کی بلندیاں، نسلی تہذیب
و شائستگی کی بھی منت پذیر ہیں۔ لہٰذا خاندان آصف جاہی کے آغاز کا پتا
لگانا غالباً بہت دلچسپی کا موجب ہوگا۔

آپ نے "بوستان" میں حضرت شیخ سعدی رح کا یہ قطعہ پڑھا ہوگا:

"مرا پیر دانائے شیخ شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب:
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش، — دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش"

شیخ شہاب سے مراد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو اپنے

وقت کے بڑے فاضل ولی کامل اور فقر و سلوک میں طریقۂ سہروردیہ کے بانی تھے۔ سلسلۂ نسب اُن کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفۂ اوّل جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے، انھی شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد و امجاد سے نواب قلیچ خاں بعہدۂ سپہ سالاری فتح قلعہ گولکنڈہ کے وقت شہید ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند نواب غازی الدین خاں فیروز جنگ سپہ سالار ہوئے اور شہنشاہ اورنگ زیب نے ان کو بغایت اختصاص "فرزند" کا خطاب عطا فرمایا۔ ان کے فرزند اکبر حضرت مغفرت مآب، نواب آصف جاہ اوّل، تھے جنھوں نے دکن میں آصف جاہی سلطنت کی مضبوط بنیاد کا آغاز فرمایا۔
لہذا ہز اگزالٹڈ ہائنس نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر کے طریق ماندو بود اور رفتار و کردار میں جو درویشانہ بے تکلفی اور عارفانہ استغراق نظر آتا ہے وہ آپ کا خاندانی ورثہ ہے، نیز گفتار (شاعری) میں جو علمی ذوق اور ادبی لذت تراوش رہی ہے۔ یہ بھی حضرت کے خاندان ہی کا فیض ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب ہم اعلی حضرت آصف جاہ سابع کی پیدائش سے اس وقت تک کا مسلسل تذکرہ اپنے برادران وطن کی دلچسپی کے لیے پیش کرتے ہیں تاکہ کوئی نوجوان اپنی موجودہ ذہنی، معاشی، اخلاقی و علمی ترقیوں پر سرسری نظر نہ ڈالے اور پہلے یہ سمجھ لے کہ ہماری قوم کی موجودہ حرکت کی موج، زنجیر کے اُس سرے سے آ رہی ہے جو شاہی سنت و بازو سے جنباں ہے۔
ابنائے وطن کو چاہیے کہ جو زر خطیر اور ذاتی انہماک ہز اگزالٹڈ ہائنس نے ان کی فلاح و بہبود میں اختیار فرمایا اور انتظام مملکت میں جیسی مفید اصلاحیں اور ترقیاں فرمائیں اُن سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور آگے بڑھنے کی کوشش کریں جو اعلی حضرت کا دلی منشا ہے۔

اعلیٰحضرت مدظلہ العالی

ہمارے ظل اللہ بتاریخ ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۰۳ ہجری مطابق ۵ اپریل ۱۸۸۶ء تولد ہوئے۔ پانچ سال کی عمر ہونے کے بعد آپ کی رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی۔ مولوی انوار اللہ خاں صاحب المخاطب بہ نواب فضیلت جنگ مرحوم جو تبحر علمی اور فضیلت اتقا میں ممتاز تھے (مدرسۂ نظامیہ کے بانی اور صدر الملہام امور مذہبی) عربی اور دینی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے۔ نواب عماد الملک اور سنا دالملک آقا سید علی شوستری بالترتیب اردو و فارسی کے لیے اور مسٹر ایجرٹن انگریزی تعلیم دینے پر مامور ہوئے۔ انھی اتالیقوں اور معلموں کی تعلیم و تربیت سے حضور ممدوح کی علمی پیاس بجھتی رہی اور قلیل مدت میں آپ نے ان زبانوں پر خاصہ عبور حاصل فرمالیا۔

حضور ممدوح کو ڈرائنگ (نقشہ کشی) میں دستگاہ حاصل ہے۔ کرنل نواب افسر الملک بہادر، سابق کمانڈران چیف افواج آصفیہ، نے آپ کو فوجی تعلیم دی اور آپ کو نشانہ اندازی گھوڑے کی سواری، قواعد، پریڈ اور دوسرے فوجی کرتبوں اور کاموں کی خوب مشق کرائی، چنانچہ ان سپاہیانہ فنون میں بھی آپ کامل مہارت رکھتے ہیں۔

(حضرت غفران مکاں، نے آپ کو امور سلطنت کا علمی تجربہ حاصل کرنے کے لیے خاص انتظامات فرمائے تھے اور اکثر سیر و سفر میں اپنے ہمراہ رکھتے تھے، چنانچہ (۱۴) سال کی عمر (۱۹۰۰ء) میں آپ اپنے والد بزرگوار کے

ساتھ کلکتہ تشریف لے گئے اور وائسرائے ہند سے ملاقات کی۔ اس کے بعد ۱۹۰۳ء میں دربار تاج پوشی شاہ ایڈورڈ ہفتم میں بھی آپ موجود تھے۔ ۱۳۲۴ ہجری میں آپ کا عقد نواب جہانگیر جنگ بہادر کی دختر بلند اختر سے ہوا۔ ۸ محرم ۱۳۲۵ ہجری کو شہزادہ ولی عہد بہادر (میجر جنرل حضرت والاشان نواب اعظم جاہ بہادر) اور دس ماہ کے فرق سے ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ ہجری کو دوسرے شہزادے، حضرت والاشان نواب معظم جاہ بہادر، تولد ہوئے۔

۸ رمضان المبارک ۱۳۲۹ ہجری مطابق ۲۹ اگست ۱۹۱۱ء مطابق ۲۲ مہر ۱۳۲۲ف کو ستائیس سال کی عمر میں آپ تخت نشین ہوئے۔ ارکان سلطنت کے علاوہ رزیڈنٹ بہادر حیدرآباد نے اپنی اور برطانوی حکومت کی طرف سے مبارکباد پیش کی۔ یکم ستمبر ۱۹۱۱ء کو چو محلہ مبارک میں اعلیٰحضرت کا پہلا دربار مسند نشینی منعقد ہوا۔ اس موقعے پر رزیڈنٹ بہادر نے حضور پُرنور کو تخت نشینی کی مبارکباد دیتے ہوئے آپ کے عہدِ حکومت سے ملک کی فلاح و بہبود کی بہت سی آنے والی توقعات کے وابستہ ہونے کا اظہار کیا۔ اِس کے جواب میں حضرت اقدس و اعلیٰ نے جو تقریر فرمائی اُس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ اِس کا اندازہ ہو سکے کہ آپ کو ملک و قوم کی فلاح و بہبود کا جو خیال اُس وقت تھا وہ کس حسنِ ترتیب سے پورا ہوا اور ہو رہا ہے:

"۔۔۔ میں اپنی ذمہ داریوں سے اُس وقت تک عہدہ برآ نہ ہو سکوں گا جب تک کہ اپنے والد محترم کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش نہ کروں۔ میں اِس بات کی انتہائی کوشش کروں گا کہ اپنے جلیل القدر باپ کی طرح ملک معظم

کے ساتھ دیرینہ تعلقات کو نہ صرف برقرار رکھوں بلکہ مستحکم کروں کیونکہ یہ استحکام درحقیقت رعایاے دکن اور سلطنت ہند کی فلاح کے لیے از بس ضروری ہے۔"

اکتوبر ۱۹۱۱ء میں لارڈ ہارڈنگ وایسراے ہند حیدرآباد تشریف لائے اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں غفران مکاں کی وفات حسرت آیات پر اظہار افسوس کیا۔ ۱۹۱۲ء میں لارڈ ہارڈنگ دوبارہ حیدرآباد آئے۔ اُن کے اعزاز میں چومحلۂ مبارک میں اسٹیٹ بنکوٹ ترتیب دیا گیا تھا۔ اس موقعے پر ہز اکسلنسی نے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کو سلطنت کے کاروبار کی بذاتِ خود نگرانی کرتے اور حکومت کے ہر کام میں گہری دلچسپی رکھتے دیکھ کر آپ کی معدلت گستری، بے تعصبی، شاہانہ عظمت، تدبر اور روشن خیالی کا اعتراف (کریم) اِن الفاظ میں کیا:

"یور ہائنس کے والد محترم کا انتقال کر جانا ہندوستان کے لیے ایک صدمۂ عظیم ثابت ہوا ہے۔ یہ کہنا خوش آمد نہیں کہ مرحوم نظام نے اپنے پیچھے آزاد خیالی، وفاداری اور تدبر کی ایک زندہ تصویر چھوڑی ہے۔"

(۱۹۱۱ء میں جب دہلی میں ملک معظم کا دربار تاج پوشی منعقد ہوا تو حضرت اقدس و اعلیٰ بھی اس میں شریک تھے، اس موقعے پر آپ کے ساتھ اِس حیثیت سے بھی کہ آپ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے بیدار مغز تاجدار ہیں، آپ کے شایانِ شان مدارت کی گئی اور آپ کو "جی-سی-ایس-آئی" کا خطاب پیش کیا گیا۔ ۱۹۱۲ء میں وایسراے کی دعوت کی بنا پر آپ شملہ تشریف لے گئے؛ لیکن یہ سفر غیر سرکاری تھا۔)

(زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے تین سال بعد ۱۹۱۴ء میں یورپ کی وہ جنگ عظیم شروع ہوئی کہ جس میں برطانوی سلطنت کے لیے زندگی اور موت

کا سوال درپیش ہو گیا۔ ایسے نازک وقت میں اعلیٰ حضرت نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر نے سلطنت برطانیہ کے ساتھ وہ وفاداری برتی جو اِس سلطنت کے تمام دوستوں کی وفاداری سے زیادہ گراں قدر اور بر وقت تھی، نیز خود اعلیٰ حضرت کے پیشروؤں نے بھی باوجود خلوص محبت و اتحاد کبھی اتنا عملی حصّہ نہیں لیا۔

ایک طرف حضرت ممدوح نے اپنے اُس اخلاقی و روحانی اثر کو استعمال کیا جو اُنھیں تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر حاصل تھا اور مسلمانوں کو پورے زور کے ساتھ تلقین کی کہ وہ سلطنت برطانیہ پر بھروسا کر کے اپنی وفاداری پر ثابت قدم رہیں۔ مالی امداد سے زیادہ یہ اخلاقی امداد اِس قدر موثر ثابت ہوئی کہ خود برطانوی حکومت کے اربابِ حل و عقد کو اعتراف ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے جن اثرات کے تحت جنگ میں برطانیہ عظمیٰ کی امداد کی اُن میں بیشتر حصّہ اعلیٰ حضرت نظام دکن ہی کا تھا۔

دوسری طرف اعلیٰ حضرت نے اپنی خاندانی روایات کو پیشِ نظر رکھ کر (اپنی سلطنت کے تمام ذرائع دولت برطانیہ کے لیے وقف کر دیے تھے اور ایسی مالی امداد دی کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ حیدرآباد امپریل سروِس ٹروپس کو مصر روانہ کیا گیا۔ قرضۂ جنگ میں ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ عطا فرمایا گیا اور پندرہ لاکھ روپیہ محکمۂ بحریہ کو آبدوزی استحکامات کے لیے دیے گئے۔ اِس کے علاوہ جب تک جنگ جاری رہی تمام کارخانے سامانِ حرب کی تیاری کے لیے وقف کر دیے گئے اور چار سال کی مدت میں ۹ لاکھ روپیہ کا فرمایشی سامان برطانیہ عظمیٰ کے لیے مہیا کیا گیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی عزیز رعایا کو ہزاروں کی تعداد میں بھرتی کر کے میدانِ جنگ میں جانیں قربان کرنے کے لیے بھیجا۔

آغازِ جنگ سے اختتام تک دولتِ آصفیہ کی باضابطہ فوج جنگ کی عملی اور انتظامی خدمات انجام دیتی رہی اور اِس کا سارا خرچ سرکار نظام نے اپنے خزانے سے ادا کیا، حکومت ہند کی شدید مالی مشکلات کے زمانے میں ۵۰ لاکھ روپے کی چاندی کی اینٹیں مستعار دے کر اُس کی مالی ساکھ کو بحال رکھا، اور اِسی طرح کی بیش قیمت اور مخلصانہ اعانتوں کا سلسلہ ہمیشہ جاری رکھا۔

حضور کی بیدار مغزی اور جذبۂ وفاداری سے متاثر ہو کر احسان شناسی واعتراف جمیل کے طور پر سنہ ۱۹۱۸ء میں حضورِ پرنور کو "ہزاگزالٹڈ ہائنس" کے القاب کے ساتھ "یار وفادار سلطنت برطانیہ" کے خطاب سے حضور ملکِ معظم نے اپنے ایک دستخط خاص کے مکتوب کے ذریعے مخاطب فرمایا۔ شہنشاہ معظم سے لے کر ولی عہد پرنس آف ویلز، وایسرائے اور رزیڈنٹ تک سب نے متعدد مرتبہ حضور پُرنور کی بیش بہا خدمات پر تحسین و آفرین کے پھول برسائے۔ ۲۵ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء کو ہزرائل ہائنس پرنس آف ویلز حیدرآباد تشریف لائے تھے! اُسی شام کو آپ نے اعزازی جلسۂ دعوت منعقد کر کے شہزادہ ممدوح کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم فرمایا۔ اِس موقعے پر اعلیٰ حضرت شہریار دکن کی تقریر کے جواب میں ہزرائل ہائنس نے جو تقریر فرمائی اُس کا یہاں درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جس میں اعلیٰ حضرت کی عظیم الشان خدمات اور ایثار کا سچے دل سے اعتراف کیا گیا ہے:

"یوراگزالٹڈ ہائنس، لیڈیز و جنٹلمن!

"میں یوراگزالٹڈ ہائنس کا اُن پُراثر الفاظ کے لیے جن سے میرا جام صحت تجویز کیا گیا ہے اور شاہانہ دعوت کے لیے جو آپ نے مجھے دی ہے نہایت شکر گزار ہوں۔ میں حیدرآباد آنے کا خواہش مند تھا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ

جو دوستی و رشتۂ اتحاد ہمارے خاندان اور حیدرآباد کے حکمرانوں کے درمیان قائم ہے میرے ذاتی تعارف کی وجہ سے وہ مستحکم ہو جائے۔

"تاریخ میں حیدرآباد اور حکومتِ برطانیہ کے باہمی رشتۂ اتحاد و دوستی کو صاف صاف الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ جب سے ہندوستان میں حکومتِ برطانیہ قائم ہوئی ہے حیدرآباد اور اُس کے حکمرانوں نے یکساں طور پر ہمارے مفاد کے مطابق کام کیا ہے۔ ٹیپو سلطان، مرہٹوں اور پنڈاریوں کے برخلاف اٹھارویں اور اُنیسویں صدی کے ابتدائی معرکے اِس رشتے کے استحکام کا بین ثبوت ہیں اور جن عہد ناموں اور اتحاد باہمی کی بنا پڑی وہ تاریخ ہند میں بہت بعد کے واقعات ہیں، زیادہ قریب کے واقعات اِس مبارک انداد کا لازمی نتیجہ ہیں جو واقعات، یعنی ہندوستان کا غدر اور حالیہ جنگ عظیم حکومتِ برطانیہ پر اثر انداز ہوئے ہیں اِن دونوں اہم واقعوں اور اِن دونوں مشکل واقعات کے رونما ہونے پر اپنی قدیم روایات برقرار رکھتے ہوئے حیدرآباد نہایت ہی ثابت قدم رہا ہے۔

"۱۸۵۷ء کے غدر میں حیدرآباد کی مسلمہ وفاداری نے سلسلۂ ست پڑا سے اقصائے جنوب تک سارے ہندوستان کو عالمگیر فسادات سے جس نے ہمارے اضلاع شمالی کو پریشان کر رکھا تھا، پاک و مامون رکھنے کے لیے بہت کچھ مدد کی۔

"جنگ عظیم میں جو اب ختم ہو چکی ہے (جس سے مجھ کو مسرت ہوئی ہے) موجودہ نیک نام حکمران کی زیرِ حکومت حیدرآباد نے ایسی اخلاقی اور مادی امداد دی ہے جس سے بلا شبہہ یہ پایا جاتا ہے کہ یور اگزالٹڈ ہائنس نے "وفادار دوست سلطنت برطانیہ" کے القاب کے مفہوم کو جسے حال ہی میں حضور

ملک معظم نے باضابطہ طور پر تسلیم فرمایا ہے، بڑی ثابت قدمی کے ساتھ صحیح طور پر عملی جامہ پہنایا ہے۔ میرے دائرۂ تقریر میں غالباً یہ ناممکن ہوگا کہ جو جو امداد یور ہائنس نے دی ہے اُن سب کا اعادہ یہاں کرسکوں۔ میں صرف مشہور واقعات کا ذکر کروں گا۔ سب سے اوّل تو یہ کہ امپیریل سروس لانسرز اور بیسویں دکن ہارس کو آغاز جنگ سے اُس کے ختم تک تقریباً ڈیڑھ کروڑ روپیہ کے ذاتی صرف سے میدانِ جنگ میں موجود اور تیار رکھا گیا۔

"امپیریل سروس لانسرز کے قابل تعریف کارنامے یور اگزالٹڈ ہائنس کے لیے باعثِ فخر ہیں (دکن ہارس کے متعلق میں صرف یہ کہوں گا کہ بلحاظ اُس کی خدماتِ حسنہ کے ہز میجسٹی ملکِ معظم نے سالِ گزشتہ اُس کے نام کے ساتھ 'رائل' کا لقب ایزاد فرمادیا ہے۔ اِس فوج کے کرنل ہونے کی حیثیت سے آپ نے اُن کو جدید قسم کی تلواریں اور افسروں کو گھوڑے دے کر اپنی دلچسپی کا اظہار فرمایا ہے) مالی امداد غیر محدود طور پر دی ہے۔ منجملہ دیگر رقومات کے میں اِن چیزوں کا ذکر کروں گا: ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ بطور قرضۂ جنگ اور دو لاکھ پونڈ آبدوز لڑائی اور بہم رسانی حوض و ہوائی جہاز وغیرہ میں آپ نے دیے۔ ۲۵ ہزار پونڈ سلور ویڈنگ فنڈ میں برائے امداد پس ماندگان و ناکارگان، ۲½ لاکھ روپے امپیریل انڈیا ریلیف فنڈ کے لیے اور ایک لاکھ میرے اپنے فنڈ میں آپ نے اور عنایت کیے۔ کسی معاملے میں بھی خفیف سے خفیف تعلق ہم سے کیوں نہ ہو اور خواہ کوئی ضرورت ہو؛ مثلاً سروین ریلیف فنڈ، بلجین ریلیف فنڈ، یا جنگ کے آفت زدہ افسروں کا امدادی فنڈ ہو، یور اگزالٹڈ ہائنس سے جو اپیل کیا گیا وہ کبھی خالی نہیں گیا۔

"اُن سپاہیوں کو جو جنگ میں شریک ہو کر اپاہج ہو گئے تھے اور اُن لوگوں کے پس ماندگان کو جو جنگ میں کام آئے تھے، یور اگزالٹڈ ہائینس نے بطور یادگار صلح ایک قطعہ اراضی عطا فرمایا اور اُن کو وہاں آباد کر کے اُس مقام کا نام صلح نگر رکھا۔

"علاوہ ازیں اور معاملات میں بھی یور اگزالٹڈ ہائنس نے ہمارے ساتھ اپنی گہری دلچسپی اور کم نہ ہونے والی دوستی کا اظہار فرمایا۔
یور اگزالٹڈ ہائنس، آپ کو ملک معظم کی جانب سے اعتراف کے طور پر بڑے بڑے امتیازات حاصل ہیں اور وہ معزز القاب جو یور اگزالٹڈ ہائنس کو عطا ہوئے ہیں جو حیدر آباد کی تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتے اُن لاثانی کارناموں اور قابل فخر منزلت کو جو اس ریاست کے حکمران کو حاصل ہے دنیا کے روبرو ظاہر کرتے ہیں۔ آپ کی مہربانی اور عنایت کا میں بے حد ممنون ہوں اور اب میں حاضرین سے جس ریاست کے کارناموں کا معترف ہوں اُس کے نامور حکمران کی درازی عمر و اقبال کے لیے میرے ساتھ جامِ صحت پینے میں شریک ہونے کی تحریک کرتا ہوں۔"

(۳) اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ شاہان آصفیہ کی دورِ حکومت میں اُن کی رعایا پروری سے دکن بے اندازہ مستفید ہوا۔ لیکن وہ مبارک عہد جس سے حیدر آباد کے ہر شعبے میں ترقی کی لہر دوڑ گئی وہ اعلیٰ حضرت ہی کا زرین عہد ہے۔

حضور ممدوح نے جس خوبی اور حسنِ تدبیر سے عمّال حکومت کے اعمال و افعال کی درستی اور فرسودہ و نازیبا رسوم کا انسداد فرمایا ہے وہ اس قدر ضروری اور باوقعت ہیں کہ بے ساختہ حضورِ ممدوح کی قوتِ انتظامی و روشن خیالی

کی داد دینی اور فیاضانہ بلند نظری کی ستایش کرنی پڑتی ہے۔ اپنی سالگرہ کی تقریب کے موقعے پر ایک بار یہ حکم دیا گیا تھا کہ رعایا بہ طیبِ خاطر چندہ فراہم کر کے لہو و لعب میں خرچ کرتی اور اظہارِ عقیدت کرتی ہے، یہ عمل قطعاً بند کیا جائے، بلکہ اُس رقم سے غربا اور مساکین کو امداد دی جایا کرے جس سے عوام میں باہمی ہمدردی اور خوش اعمالی کی ترقی ہو۔ یہ فرمان اعلیٰ حضرت کی بیدار مغزی کی دلیل ہے اور اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو رعایا کے اخلاق اور فلاح و بہبود کا کس درجہ خیال ہے۔ پھر ایک مرتبہ یہ فرمان شائع ہوا کہ حکام ریاست جو دورہ میں جا کر رقص و سرود کی مجلسیں گرم کرتے ہیں اور جس سے عوام میں بداخلاقی کی تحریک پیدا ہوتی ہے وہ قطعاً ممنوع قرار دی جائے۔ اگر اِس کی تعمیل نہ ہوگی تو سخت بازپرس ہوگی۔ اِن دونوں فرامین سے خسروِ دکن کی دوربینی اور ضرورت شناسی صاف عیاں ہے۔

سالگرہ کی تقریب پر جو روپیہ رقص و سرود میں ضائع کیا جاتا تھا اُس کو کسی مفید مصرف میں لانے کے متعلق جو فرمان شائع ہوا تھا اُس کے الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ ہر سال میری سالگرہ کی خوشی میں رعایا چندہ جمع کر کے جو خوشیاں مناتی ہے اُس کا صرف بیجا ہوتا ہے جس سے اُس کی علتِ غائی مٹ جاتی ہے حالانکہ اِس کا مصرف ایسا ہونا چاہیے جس سے ایک طرف غریبوں کو فائدہ پہنچے اور دوسری طرف پبلک پر اچھا اثر ہو لہٰذا اِن امور کو مدِ نظر رکھ کر میں حکم دیتا ہوں کہ آیندہ سے جہاں کہیں اِس قسم کا چندہ جمع ہو تو اُس سے غریبوں کو کپڑا اور غلّہ دیا جائے اور وظائف تعلیمی جاری

کیے جائیں۔ بہرحال ایٹ ہوم یا رقص و سرود کے جلسے یک قلم موقوف رہیں جس سے بعوض فائدہ کے اُس کا اثر سوسائٹی اور پبلک پر بُرا پڑتا ہے۔"

(حضرت اقدس و اعلیٰ کو ابتدا ہی سے مُلکی نظم و نسق کی کامل واقفیت تھی اور جس وقت آپ تخت نشین ہوئے اُس وقت ملک کے جملہ امور آپ کے سامنے آئینے کی طرح صاف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عنانِ حکومت ہاتھ میں لیتے ہی حیدرآباد نے پلٹا کھایا اور علمی، مادی اور معاشرتی حیثیتوں سے اِس کی ترقی کا آغاز ہو گیا۔

(احیائے علوم و فنون میں حضور اقدس و اعلیٰ کی خاص توجہ ہوئی۔ اعلیٰ حضرت کا سب سے بڑا کارنامہ جس کی یاد صدیوں تک تازہ رہے گی جامعہ عثمانیہ کا قیام ہے۔ اس تعلیمی سرچشمہ کے متعلق فرمان مبارک ۱۶ ذالحجہ سنہ ۱۳۳۶ ہجری کو شرفِ صدور لایا اور جامعہ عثمانیہ کے مقاصد کے متعلق خسرو دکن نے ارشاد فرمایا:

"۔ ۔ ۔ اس سے مقصدِ اوّل یہ ہے کہ مملکت میں تعلیم پھیلائی جائے اس کے علاوہ اِس کا مطمحِ نظر یہ بھی ہونا چاہیے کہ طلبہ کی اخلاقی تربیت بھی کی جائے اور اُن کو تمام سائنٹفک مضامین کا شوق دلایا جائے۔"

اِس فرمان کی تعمیل میں سنہ ۱۳۳۶ف میں دارالترجمہ قائم ہوا اور اب تک تین سو سے زائد علمی اور فنی کتابوں کا ترجمہ ہو چکا۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام نے دکن کی فضا میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا جس کے شاندار نتائج آج عیاں ہیں۔ غیر زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دینا طلبہ کی ذہنی ترقیوں میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دے کر ہندوستان کی علمی رہنمائی فرمائی ہے۔ حضورِ ممدوح کی اِس تحریک نے ملک میں علمی روشنی پھیلا دی اور ہر طرف علمی انجمنیں، کتب خانے قائم ہو گئے، علمی رسالے و اخبار

جاری ہوئے۔

مجلسِ رفقاء، جامعۂ عثمانیہ، نے اعلیٰ حضرت کی اِس علمی سرپرستی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ۱۹۲۳ء میں "سلطان العلوم" کی اعزازی ڈگری پیش کی اور آپ کی معارف نوازی کا اِن الفاظ میں اعتراف کیا:

"الحمد اللہ کہ آج وہ مبارک دن ہے جو نہ صرف جامعۂ عثمانیہ بلکہ تمام جامعات کی تاریخ میں یادگار رہے گا کہ خود فرمانروائے سلطنت نے جو اِس کے بانی اور سرپرستِ اعلیٰ ہیں اِس کی اعزازی ڈگری قبول فرمانے کے لیے مجلسِ رفقا کو عزت بخشی۔

"تاریخ عالم سے واضح ہوتا ہے کہ سلاطین اسلام نے علم کی سرپرستی میں خاص حصّہ لیا ہے، اور بندگان جہاں پناہی کو جو انہماک و دلچسپی ترویج علم سے ہے اور بندگان حضرت نے اپنی علم پروری اور ہنر گستری سے حصول علم کے لیے جو مناسب اور مفید طریقہ اِس جامعہ کے قیام سے جاری فرمایا ہے اُس کی مثال کہیں نہیں ملتی ہے۔"

دورِ ہمایونی میں تعلیمی ترقّی کے علاوہ باب حکومت کا قیام اِس بات کا پتا دیتا ہے کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کتنے روشن خیال اور بیدار مغز فرمانروا ہیں کہ آپ نے اپنی شخصی حکومت کو جمہوریت میں تبدیل فرما دیا۔ ملک کی فلاح و بہبود کے کسی مسئلے پر کونسل کے ارکان کا اظہار خیال بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے اور اُس پر اعلیٰ حضرت کی توجہ اُس میں جان ڈال دیتی ہے۔

۲۱ نومبر ۱۹۱۹ء کو قصر شاہی میں دربار منعقد کر کے حضرت اقدس و اعلیٰ نے اکزیکیٹو کونسل کی افتتاحی رسم ادا کی اور ایک زرّین تقریر فرمائی جس میں آپ نے ارشاد فرمایا:

"جب میں تخت نشین ہوا اور میں نے اپنی حکومت کے نظم ونسق کی جانچ پڑتال کی تو مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک گورنمنٹ میں سراسر تغیر نہ کیا جائے یہ سب خامیاں رفع نہیں ہو سکتیں۔ میں نے نہایت محنت اور دماغ سوزی سے غور و فکر کرنے کے بعد یہ طے کیا ہے کہ تمام نظم ونسق کا انتظام براہِ راست اپنے ہاتھ میں لے لوں اور وزیرِ اعظم کی استعانت کا محتاج نہ رہوں۔ پانچ سال تک میں محنت شاقہ کرتا رہا اور اُن تدابیر و قواعد کو ملحوظ خاطر رکھا جس میں میری عزیز رعایا کی فلاح و بہبود کا یقین تھا کیونکہ رعایا کی خوشنودی و ترقی کا مجھے اُس حد تک خیال ہے جتنا کسی باپ کو اپنی اولاد کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ حکومت پر جب میں نے بذاتِ خود غائر نظر ڈالی تو مجھے تجربہ ہوا کہ موجودہ طریقے کو بدل دینے کی ضرورت ہے۔ ۔۔۔ لہٰذا میں نے بعد غور و فکر طے کر لیا کہ اپنی گورنمنٹ کی ایک نئی صورت قائم کروں۔ ۔۔۔ اِس مقصد پر نظر رکھ کر میں نے ایکزیکیٹو کونسل قائم کی جس کا ایک صدر ہو گا اور سات ممبر ہوں گے۔"

اِن عظیم الشان کاموں کے علاوہ حضرت جہاں پناہی نے اپنے دورِ حکومت میں کئی اصلاحیں کیں۔ مجلس وضع قوانین کی توسیع منظور فرمائی۔ پہلے عہدہ داران مالگزاری کو عدالتی اختیارات بھی تھے۔ اِس سے وہی عہدہ دار ایک طرف تنقیدی خدمت انجام دیتے تھے دوسری طرف خود مقدمات کا فیصلہ بھی کرتے تھے۔ چونکہ نصفت کے لحاظ سے یہ عمل مبنی بر مصالح ملکی نہ تھا اِس لیے حضور ممدوح نے اِس خرابی کو دور کرنے کے لیے عدالت و مال کے عہدہ دار بالکل جدا کر دیے تاکہ عدالتی اور انتظامی کام بالکل علیحدہ علیحدہ انجام پائے۔

۱۹۰۸ء میں رود موسیٰ میں زبردست طغیانی آئی تھی۔ اس سے لاکھوں آدمی تباہ و برباد ہو گئے تھے۔ اعلیٰ حضرت نے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے

پیش نظر "عثمان ساگر" اور "حمایت ساگر" لاکھوں روپیہ صرف کرکے تعمیر کیے۔
اس کے سوا نظام آباد میں ایک بہت بڑا بند "نظام ساگر" تیار ہوا۔ اس سے
ہزاروں ایکر زمین کی آبیاری ہو رہی ہے۔

حضرت جہاں پناہی کی تخت نشینی کے دو سال بعد محکمۂ آرایش بلدہ
قائم ہوا۔ قدیم وضع کے مکان تنگ و تاریک تھے، اس لیے حکم ہوا کہ ان
مکانوں کو منہدم کرکے جدید مکان تعمیر کرائے جائیں۔ اس تجویز میں وقتاً
فوقتاً توسیع ہوتی گئی یہاں تک کہ کئی محلے مسمار کیے گئے، مالکانِ مکانات
کو معقول قیمت مکانات دی گئی اور ان کو اجازت دی گئی کہ شہر حیدرآباد
کی اطرافی زمینات کا انتخاب کرکے کھلے میدان اور صاف ہوا میں حفظانِ صحت
کے اصول کے مطابق مکان تعمیر کریں۔

اس تجویز کے تحت شہر حیدرآباد دکن کے کھلے مختلف میدانوں میں
سرکاری خرچ سے آرایش بلدہ کی زیرنگرانی چند محلے تعمیر کیے گئے جن میں تیرہ سو
کے مکانات بنوائے گئے "تاکہ غربا بہت ہی خلیل رقم کرایہ ادا کرکے ان محلوں میں
آباد ہوں اور شہر کی گنجان آبادی میں کمی ہو اور شہر کی ہوا صاف اور امراض
متعدی و وبائی سے رعایا محفوظ ہو سکے۔ یہ کام اب بھی جاری ہے۔

اسی تجویز کے تحت شہر کی سب سے بڑی سڑک کو جو سکندرآباد سے کوٹھی
رزیڈنسی ہوتی ہوئی افضل گنج سے چارمینار تک پہنچتی ہے، وسیع کرنے اور
اس کی دونوں طرف خوش نما دکانیں سنگ تراشیدہ کے برآمدے اور اوپر
خوبصورت گنجایش دار بنگلے تعمیر ہونے شروع ہوئے، چنانچہ دیوان کی ڈیوڑھی
سے گلزار حوض تک اس جدید تعمیر کا جو نظر فریب منظر، شہر حیدرآباد دکن
کے آنے والے دور کی پیش گوئی کرتا ہے اور وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ کام

بھی آہستہ آہستہ جاری ہے۔ اسی تجویز کے تحت تمام شہر حیدرآباد دکن کی سڑکوں کو وسعت دینے اور اُن کی دونوں طرف پیدل چلنے والوں کے لیے پٹریوں کی تعمیر شروع ہوئی، محکمۂ آرایش بلدہ کی نگرانی میں بہت تیزی سے یہ کام ہو رہا ہے، کہیں سیمنٹ اور ڈانبر کی اور کہیں روڑی اور گچ کی چوڑی چکلی سڑکیں تعمیر ہو رہی ہیں۔ چوراہوں اور تراہوں پر کہیں روشنی کے گلدستے اور کہیں چھوٹے چھوٹے خیاباں اور کہیں ہری گھانس کے تختے تیار کیے جا رہے ہیں۔

عہدِ عثمانی میں کئی عمارتیں تیار ہوئیں۔ باغ عامّہ میں نمایش گاہ، کتب خانہ اور ایک چھوٹی سی مگر خوبصورت مسجد بنوائی گئی۔ رود موسیٰ کے ایک کنارے عدالتِ عالیہ اور سٹی انٹرمیڈیٹ کالج کی شاندار عمارتیں ہیں۔ ان دونوں پر تقریباً (۳۶) لاکھ روپیہ صرف ہوا، اسی کے متصل ایک وسیع وعریض مستورات کا ہسپتال تعمیر ہوا ہے جس میں پردے کا معقول انتظام ہے۔ یہاں ڈاکٹر، ڈریسر، کمپونڈر، نرس، ماما اور جملہ ملازمین عورتیں ہیں۔ رعایائے سرکار کا از قسم اناث کے امراض مخصوصہ کا علاج یہاں ہوتا ہے اور ہزارہا زچگیاں بھی ہر سال اس شفاخانے میں ہوتی ہیں لیکن اس شفاخانے میں بھی علاوہ امراض مخصوصہ اناث کے دوسرے امراض کا بھی علاج ہوتا ہے، البتہ پابندی یہ ہے کہ یہاں کے مریض صرف فرقۂ اناث سے ہوتے ہیں۔ ان کے مقابل موسیٰ کے دوسرے کنارے نہایت پُرشوکت اور خوبصورت شفاخانہ تعمیر کیا گیا ہے۔ اس میں سیکڑوں زنانہ و مردانہ مریضوں کے رہنے کی جگہ اور علاج کا معقول انتظام ہے۔

اسی عہدِ زرّین میں محکمۂ آثارِ قدیمہ قائم ہوا جس سے ملک کی قدیم

یادگاروں کی نگرانی ہوتی ہے۔ اِس محکمے نے بھی ایلورا اور اجنٹا کے مشہور غاروں کو صاف پاک اور نئے غار دریافت کر کے نکالے، بیدر کی بہمنی اور بریدشاہی عمارات کو شکست و ریخت سے بچایا، اورنگ آباد کی قدیم اور اسلامی یادگاروں کو درست کیا؛ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے مزار کے اطراف خوبصورت کٹہرا تعمیر کیا، اور ورنگل، بیدر، شوراپور کی مشہور مندو عمارتوں اور دیولوں کو درست کرایا، تمام حدود ریاست کے اندر سے قدیم تاریخی یادگاروں کا پتا لگایا؛ اِن عمارتوں پر چھوٹے چھوٹے تاریخی مقالے لکھے، اُن کے فوٹو شائع کیے اور اُن کے طرز تعمیر اور مسالے کی خوبیوں پر روشنی ڈالی؛ شہر حیدرآباد کے موقوعہ قدیم عمارات کو منضبط کیا؛ حسب ضرورت جنگلوں میں اِن عمارتوں تک پہنچنے کے لیے راستے، ڈاک بنگلے تعمیر کرائے اور نگرانی عمارات کے لیے ہر جگہ ملازمین مقرر کیے۔ کسانوں کو ساہوکاروں کے پنجوں سے نجات دلانے کے لیے "انجمن ہائے امداد باہمی" کا ایک محکمہ قائم ہوا۔ رعایا کے آرام کے لیے ملک میں نئی ریلیں اور ریلوے بس سروس جاری کی گئی۔ ساری ریلوے لائین سرکاری طور پر کمپنی سے خرید لی گئی۔ ۱۴ مئی ۱۹۳۳ء کو علاقۂ رزیڈنسی کا استرداد عمل میں آیا۔

اعلیٰحضرت رفاہِ عام کے کاموں میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ کئی مدرسے، یتیم خانے، شفاخانے آپ کے رہین منت ہیں۔ مسٹر آر۔ ایس۔ داس کی جذل اسکیم تعلیم کی تکمیل کے لیے حضور ممدوح نے دو لاکھ روپیہ اور ڈاکٹر ٹیگور کی درس گاہ " وشوابھارتی " کے لیے ایک لاکھ روپیہ عطا فرمایا۔ اسی طرح مختلف اداروں کو سلطان العلوم خسروِ دکن سے بڑی بڑی امدادیں ملتی رہیں اور اکثر اب تک برابر سالانہ یا ماہانہ مل رہی ہیں۔

نواب نظام الملک بہادر آصف جاہِ اوّل کے زمانے سے اب تک شاہانِ آصفیہ نے دوسری اقوام کے ساتھ جس رواداری اور بے تعصبی کا برتاؤ کیا ہے اُس کی نظیر کسی اور سلطنت میں نہیں مل سکتی۔ حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے آباو اجداد کی اِس قدیم روایت کو برقرار رکھا بلکہ اُس کو اور بھی مستحکم فرما دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حیدرآباد میں ہندو مسلم اتحاد کی بے مثل نظیر قائم ہے۔

حضورِ پُرنور کی ذاتی خصوصیات کا مختصر ذکر بے موقع نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی ذات آج ہندوستانی قوم کے لیے مایۂ ناز ہے۔ اعلیٰ حضرت خسروِ دکن امارت و سطوت میں نمایاں حیثیت رکھتے ہوئے بھی انسانی اعلیٰ خصائل کا ستودہ ترین نمونہ ہیں۔ خلوص اور انسانی ہمدردی اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں بدرجۂ اتم موجود ہے، چنانچہ آپ کے خلوص کا یہ عالم ہے کہ جو بات کسی سے خلافِ مزاج ہوئی تو آپ اُسی وقت نہایت صفائی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار فرما دیتے ہیں اور ہمدردی کی یہ کیفیت ہے کہ آج تک اپنے دورِ حکومت میں آپ نے اپنے قلم سے سزائے موت کا حکم نہیں صادر فرمایا۔ جو مجرمین سرکارِ شاہی عتاب میں آتے ہیں اُن کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا ہے جو ایک فیاض اور دریا دل بادشاہ کے شایانِ شان ہے۔ اعلیٰ حضرت خسروِ دکن کو تزک و احتشام اور جاہ و حشمت کی نمایش سے قطعی نفرت ہے۔ آپ نے خورش و پوشش، ذاتی سواری اور اپنے زیرِ استعمال فرش و فروش اور فرنیچر میں اس قدر سادگی کو پیشِ نظر رکھا ہے کہ آرام طلب لوگ ایسی محنت کش زندگی اور اِس قدر درویشانہ زندگانی بسر کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔ باوجودیکہ حضورِ ممدوح نے اپنے اور اپنے محل کے ساتھ بہت ہی سادہ

کفاف مرعی رکھا ہے مگر آپ کی طینت کشادہ اور دل فیاض ہے، موازنے میں ہر سال ایسی گنجائشیں رکھی جاتی ہیں جن سے علما، فضلا، قدیم گرے ہوئے خاندان کے لوگ، اپاہج، ضعیف العمر، بیوہ، حج و زیارت اور تیرتھ کے لیے لوگوں کو بیش قرار ماہواریں اور یکمشت رقمیں عطا ہوتی ہیں اور اکثر یہی ہوتا ہے کہ ایسی منظوریاں گنجایش موازنہ سے بڑھ جاتی ہیں اور دوسرے مدات سے رقم منتقل کرنی پڑتی ہے۔ الغرض جتنی اس قسم کی فیاضیاں موجودہ تاجدار دکن کے زمانے میں کی گئی ہیں اگر اُن کو جمع کیا جائے تو اُن کی مقدار شاید تمام تاجداران آصفیہ کے مجموعی بذل و ایثار سے کئی گنا زیادہ نکلیں گی۔ حیدرآباد کے اندر یا باہر بلکہ دنیا کے کسی حصّے میں عامۂ خلائق کی فلاح و بہبود کا کوئی کام ایسا نہیں ہوا ہے جس کی طرف خسرو دکن کو متوجہ کیا گیا ہو اور آپ نے نہایت دریا دلی سے اُسے گراں قدر رقوم نہ عطا فرمائی ہوں۔ نہ صرف فرمانروا کی حیثیت سے بلکہ ایک انسان کی حیثیت سے بھی موجودہ شہریار دکن کی ذات اِس ملک کے لیے بیش بہا نعمت ہے۔ اعلیٰ حضرت ایک طرف زبردست مدبر ہیں، کامیاب فرمانروا ہیں، سادہ اور سچی زندگی کا بہترین نمونہ ہیں تو دوسری طرف عربی و فارسی کے صاحبِ ذوق عالم، اسلامی ادب کے دلدادہ اور فارسی و اُردو کے بلند پایہ شاعر ہیں۔ سب سے زیادہ مخصوص وصف یہ ہے کہ شعر فہمی کا ملکہ حدِ تحیر تک بڑھا ہوا ہے۔ شعرائے ملک کے قصائد، رباعیاں، غزلیں اور تاریخیں، وغیرہ، جو عموماً سال بھر اور خصوصاً سالانہ عیدوں اور جشن یا کسی تعینہ خوشی پر پیش ہوتی ہیں پہلی ہی ساعت میں اُن کے حسن و قبح پر نظر پہنچ جاتی ہے۔

شہزادگانِ والاشان

۰ محرم ۱۳۲۵ھ ہجری کو شہزادہ نواب میر حمایت علی خاں بہادر (میجر جنرل حضرت والاشان نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد) اور دس ماہ کے فرق سے ۱۵ ذیقعدہ ۱۳۲۵ھ ہجری کو شہزادہ نواب میر شجاعت علی خاں بہادر (حضرت والاشان کرنل نواب معظم جاہ بہادر) تولد ہوئے۔ شہزادگان والاتبار کی تعلیم و تربیت خود اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی نگرانی میں خاص اہتمام کے ساتھ دی گئی۔ اُردو، فارسی، عربی اور انگریزی کے منتخب علما، تعلیم دینے کے لیے مقرر کیے گئے تھے۔ ہر دو شہزادگانِ والاتبار جو دولتِ حیدرآباد کے چشم و چراغ ہیں اپنے مقتدر خاندان کی شاندار روایات کا نمونہ ہیں۔

۱۹۳۱ء میں دونوں شہزادگانِ والاتبار یورپ تشریف لے گئے اِسی مبارک سفر میں دونوں شہزادگان کا عقد ۱۲ نومبر ۱۹۳۱ء مطابق یکم رجب ۱۳۵۰ھ ہجری کو پنجشنبہ کے دن بہ مقام نیس (جو فرانس کے جنوبی حصے میں واقع ہے) ہوا۔ نواب میر حمایت علی خاں المخاطب بہ نواب اعظم جاہ بہادر والاشان کی شادی جلالت مآب خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالمجید خاں سابق سلطان ترکی کی اکلوتی شہزادی دُرشہوار (المخاطب بہ دُردانہ بیگم صاحبہ) اور نواب میر شجاعت علی خاں المخاطب بہ نواب معظم جاہ بہادر والاشان کی شادی خلیفہ ممدوح الشان کی حقیقی بھانجی اور سلطان مراد خاں دوم کی نواسی شہزادی نیلوفر (المخاطب بہ فرحت بیگم صاحبہ) سے ہوئی۔ دونوں شہزادیاں ترکی سلاطین کے اعلیٰ تمدن کا بہترین نمونہ ہیں۔ شاہزادۂ والاشان

نواب اعظم جاہ بہادر کے مشکوے معلی ایں بہ مقام نیس بتاریخ ۵ ار جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۲ ہجری مطابق ۶ر اکتوبر سنہ ۱۹۳۳ء م یکم آذر سنہ ۱۳۴۳ ف یوم جمعہ (صبح ساڑھے نو بجے) نواب میر برکت علی خاں بہادر (المخاطب بہ نواب مکرم جاہ بہادر) تولد ہوئے۔ اِن کے نانا یعنی خلیفہ عبدالمجید خاں سلطان ترکی نے اپنے نام پر اِن کا عرف "مجیدی پادشاہ" رکھا ہے جو پیار سے کہا جاتا ہے۔

یکم ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۳ ہجری م ۸ر شہریور سنہ ۱۳۴۳ ف کو اعلیٰ حضرت خسرو دکن نے میجر جنرل حضرت والاشان نواب اعظم جاہ بہادر کو افواج آصفی کے کمانڈر اِن چیف کے جلیل القدر عہدے پر اور اسی ماہ میں حضرت والاشان نواب معظم جاہ بہادر کو صدر نشین مجلس آرایش بلدہ کی اعلیٰ خدمت پر مامور فرمایا۔ شہزادگانِ والاتبار اپنے اپنے فرائض نہایت خوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ دونوں محکموں میں کام سرعت کے ساتھ انجام پارہا ہے اور قابل قدر اصلاحیں ہو رہی ہیں۔ یکم ربیع الثانی سنہ ۱۳۵۳ ہجری کو جو فرمان اِس بارے میں شائع ہوا وہ درج ذیل ہے:

"بفضلہ تعالیٰ ولی عہد اعظم جاہ والاشان نے آج افواج سرکار عالی کا جائزہ بحیثیت سپہ سالار افواج آصفی (یعنی کمانڈر انچیف آف دی اسٹیٹ ٹروپس) حاصل کیا جو کہ اُن کا موروثی پیشہ تھا فن سپاہگری۔ بالفاظ دیگر یہ وہی خدمت تھی جس کو افسر الملک مرحوم انجام دیتے تھے۔ اور اِن کو میجر جنرل کا ریانک بھی دیا گیا ہے۔ اِس کے سوا اِسی ماہ میں اُن کے حقیقی برادر معظم جاہ والاشان محکمہ آرایش بلدہ کا جائزہ حاصل کرنے والے ہیں بحیثیت صدر نشین آرایش بلدہ (یعنی پریسیڈنٹ آف دی سٹی امپرومنٹ بورڈ) اور یہ بھی اِن کا موروثی پیشہ ایک طرح سے ہے کہ اِن کے مورث اعلیٰ بانی کلاخ سلطنت مشہور تھے۔

"الحاصل مجھے اُمید ہے کہ یہ ہر دو برادر اپنے اپنے معوضہ خدمات کو باحسن الوجوہ انجام دے کر پبلک سے خراج تحسین حاصل کریں گے کہ اِن کا وجود بھی مثل اپنے بزرگوں کے سلطنت حیدرآباد میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔"

نظم و نسق سلطنت: باب حکومت

عصر جدید کے نظم و نسق کے سلسلے میں باب حکومت کا قیام بتاریخ ۲۱ر نومبر ۱۹۱۹ء عمل میں آیا۔ گویا شاہ راہ ترقی پر سلطنت نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ جس طرح قوانین مجلس وضع قوانین کے ذریعے نفاذ پاتے ہیں اسی طرح عاملانہ فرائض بھی بوساطت چند سر انجام پاتے ہیں۔ عاملانہ عہدہ دار جو اپنے اپنے سررشتوں کے تفصیلی کاموں سے واقف ہوتے ہیں امورِ مملکت کو اپنے متحدہ مشورے سے طے کرتے ہیں اور یہی نظم و نسق کی کامیابی کا راز ہے چونکہ ہر متمدن ملک میں ایک مجلسِ وزراء پائی جاتی ہے اور گو نام جُدا جُدا سہی لیکن اپنی نوعیت کے اعتبار سے یکساں ہے۔ اس لیے اِس کو پیش نظر رکھ کر حضرت خسرو دکن نے سابقہ معین المہامیوں کے سلسلے کو توڑ کر باب حکومت کی بنیاد ڈالی تاکہ سلطنت کے اہم معاملات سررشتوں کے اعلیٰ عہدہ داروں کے باہمی مشورے سے طے ہوں اور ملک کو جہاں تک ممکن ہو زیادہ فائدہ پہنچے۔ حیدرآباد کے موجودہ حالات اور روزافزوں ترقیوں سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ خسرو دکن کے اِس جدید انتظام سے ملک کے نظم و نسق کا انصرام خوش اسلوبی سے

ہو رہا ہے کہ جن امور کو ایک دماغ آسانی سے حل نہیں کر سکتا وہ متحدہ قابلیت اور تجربے سے حاصل ہو سکتے ہیں اور یہی اُن کی کامیابی کا راز ہے۔ پھر بھی جب کوئی مشکل مسئلہ آن پڑتا ہے اور متحدہ کوشش سے بھی حل نہیں ہو سکتا تو اعلیٰحضرت بہ نفس نفیس اس کو ایسا سلجھا دیتے ہیں کہ کوئی دوسرا ہرگز نہیں کر سکتا۔ بالفاظ دیگر باب حکومت تمام انتظامی امور میں اعلیٰحضرت بندگان عالی کے فہم و فراست، تدبر و سیاست کا مرہون احسان ہے اور ہر معاملے کا آخری فیصلہ اعلیٰحضرت ہی کے جنبشِ قلم میں ہے اور درحقیقت دکن کی موجودہ ترقی اصلی معنی میں خسرو دکن ہی کی مرہون منت ہے۔

باب حکومت، ایک صدر اعظم اور چھ ارکان پر مشتمل ہے۔ اس مجلس کی صدارت عظمیٰ کا منصب سب سے پہلے سر علی امام نواب مؤید الملک مرحوم کے تفویض کیا گیا تھا۔ سر علی امام کے مستعفی ہونے کے بعد نواب سر فریدون ملک آنجہانی اور نواب ولی الدولہ بہادر صدر اعظم ہوئے، اور آج کل مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم ہیں۔ ہر محکمے کا صدر المہام یعنی وزیر سلطنت اس مجلس کا ایک رکن ہے۔ باب حکومت کے موجودہ ارکان حسب ذیل ہیں:

۱۔ راجہ راجگان مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنۃ جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔، صدر اعظم۔

۲۔ نواب ولی الدولہ بہادر صدر المہام سررشتہ فوج و طبابت، تعلیمات و رصد خانہ، آثار قدیمہ، رجسٹریشن و اسٹامپ و ٹپہ خانہ (ڈاک)، طباعت۔

۳۔ سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر، بی۔ اے،

ایل ایل۔ ڈی۔، صدرالمہام مالیہ، محاسبی وخزانہ و دارالضرب وسکہ قرطاس، اسٹیشنری، ریلوے، معدنیات، قوتِ برقی وکارخانہ جات وانجمن ہائے امداد باہمی۔

۴۔ لفٹنٹ کرنل سرآر۔ ایچ۔ شینونکس ٹرینچ، سی۔ آئی۔ ای۔، او۔ بی۔ ای۔، آئی۔ اے۔، صدرالمہام، مالگزاری، پولیس ومحابس، زراعت، اعداد وشمار، آبکاری وکروڑگیری، جنگلات، صنعت وحرفت وتجارت ولوکل فنڈ۔

۵۔ نواب عقیل جنگ بہادر، صدرالمہام، تعمیرات عامہ وعمارات وشاہراہ وآبپاشی وآبرسانی وڈرینج وٹیلیفون وقوت برقی دراضلاع۔

۶۔ نواب لطف الدولہ بہادر، صدرالمہام، عدالت وامور مذہبی۔

۷۔ نواب مہدی یار جنگ بہادر، ایم۔ اے۔ (آکسن)، صدرالمہام، سیاسیات، پریس، معلومات عامہ، آرائش بلدہ، بلدیہ، باقاعدگی، مالیات عامہ، کارخانہ جات عامرہ۔

مجلسِ وضع قوانین

باب حکومت کے علاوہ ایک مجلسِ وضع قوانین بھی ہے جس کے صدر صدر اعظم بہادر باب حکومت ہیں اور نائب صدر، صدرالمہام بہادر متعلقہ ہونے ہیں۔ صدر ونائب صدر کے علاوہ اس میں بیس ارکان ہیں جن میں تین ارکان بحیثیت عہدہ، نو سرکاری ارکان، چھ غیر سرکاری ارکان ہیں

جن میں تین ارکان بحیثیت عہدہ، نو سرکاری ارکان، چھ سرکاری ارکان اور دو غیر معمولی ارکان ہیں۔

اس مجلس میں مسودات قانونی پیش ہوتے ہیں جو بحث و تمحیص کے بعد مرتب ہوتے ہیں اور ارباب حکومت کے توسط سے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی منظوری کے بعد ملک میں نافذ ہوتے ہیں۔

تعلیمات

حضرت غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خاں بہادر کی حکمرانی (۱۳۲۰ف) میں ممالک محروسہ سرکار عالی میں (۵۲۹ و ۲) مدارس تھے اور مدرسین کی تنخواہیں بھی کم تھیں تعلیمی مصارف سالانہ ۵،۶۶،۴۷،۷ روپیہ تھے اور تعداد طلبہ ۶۳ یا ۶۴ ہزار کے درمیان رہتی تھی لیکن عہد عثمانی میں کل تعداد مدارس ۵،۱۰،۴ تک ترقی کر گئی ہے، مدرسین کی تنخواہوں میں اضافہ کرنے کے لیے ایک مکمل اسکیم تیار و نافذ ہوئی اور تعلیمی مصارف تخمیناً ایک کروڑ روپیہ سالانہ تک ترقی کر گئے ہیں اور تعداد طلبہ ۲ لاکھ سے ½۲ لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ بہت دلچسپ تقابل یہ ہے کہ برطانوی حکومت ہند اپنی ۳۲ کروڑ رعایا کے تعلیمی اغراض پر سات کروڑ سالانہ خرچ کرتی ہے اور ہمارے ممالک محروسہ میں اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کی مربیانہ شفقت کے زیر سایہ ڈیڑھ کروڑ رعایا پر ایک کروڑ روپیہ سالانہ خرچ ہو رہا ہے اور اس میں اضافے کی توقع بھی ہے۔

صنعت و حرفت کے کالج کے علاوہ جس کی اسکیم ابھی زیر غور ہے اس وقت

حسب ذیل گیارہ کالج ممالک محروسہ کے عرض و طول میں قائم ہیں:

۱۔ کلیۂ جامعۂ عثمانیہ۔
۲۔ نظام کالج (ذریعہ تعلیم انگریزی اور مدراس یونیورسٹی سے متعلق ہے)۔
۳۔ سٹی انٹرمیڈیٹ کالج، حیدرآباد دکن۔
۴۔ جاگیردار کالج (امیروں اور جاگیرداروں کے لیے مخصوص ہے)۔
۵۔ کلیۂ عثمانیہ اناث، نامپلی۔
۶۔ انٹرمیڈیٹ کالج اورنگ آباد۔
۷۔ انٹرمیڈیٹ کالج، ورنگل۔
۸۔ انٹرمیڈیٹ کالج، گلبرگہ۔
۹۔ عثمانیہ طبیہ کالج۔
۱۰۔ عثمانیہ کلیۃ المعلمین۔
۱۱۔ کلیۂ انجنیری۔

یہ تعلیم گاہیں تو صرف اعلیٰ تعلیم کے لیے ہیں لیکن اُن مدارس کی تفصیل جو فوقانیہ، وسطانیہ اور تحتانیہ مردانہ و زنانہ اور زبان ملکی (تلنگی، مرہٹی، کنڑی) کے پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں بہت زیادہ اور موجب طوالت ہے۔ بہرحال اجمالی طور پر ہم تعلیم گاہوں کے اِس اضافے سے اتنا اندازہ ضرور کر سکتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں نے بہت قلیل مدت میں کس قدر ترقی کی ہے۔

اِن کے علاوہ بہت بڑی فہرست اُن مدارس کی بھی ہے جو لوکل فنڈ کے خرچ سے قائم ہیں اور سررشتۂ تعلیمات کی زیرِ نگرانی کام کر رہے ہیں اور کچھ مدارس مسلمانوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کے ایسے بھی ہیں جو اہلِ ہمت کے ایثار سے چل رہے ہیں مگر گورنمنٹ بھی ماہانہ یا سالانہ امداد دیتی رہتی ہے۔

تعلیمی عصرِ جدید

انسانی ترقیوں کی تاریخ دراصل اُس کے تدریجی تسلط و کارفرمائی کی

داستان ہے اور ذرا سے غور کرنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ دُنیا کا یہ سب سے کمزور جاندار کس طرح زمین کی وسعتوں اور آسمان کی بلندیوں پر قابو پا گیا۔ اِس کا جسمانی ضعف اِس کی ذہنی دوڑ اور اَن تھک جستجو کے سدِّراہ نہ ہو سکا۔ انسانی ترقیوں کی یہ رفتار باعتبار نوعیت ہر زمانے میں جُدا جُدا رہی ہے، ابتداءً ایشیائی قوموں کی ترقیاں کچھ اور بنیادیں اور نوعیتیں رکھتی تھیں لیکن اب یورپی قوموں کی ترقیاں، مشاہدات و تجربات کی بنیادوں پر قائم کی گئی ہیں جو علمی اعتبار سے اور ادبی و طبیعیاتی اور سیاسی و تاریخی اعتبار سے قومی و ملکی ترقی کا دراصل پیش خیمہ ہیں۔

یورپی ترقی کے بظاہر یہی دو اہم نقاط نظر ہیں جن کے آگے دُنیا کی ساری قومیں اِس مادّی رنگ میں رنگی جا رہی ہیں۔

ہمارے موجودہ اعلیٰ حضرت سُلطان العلوم کی دُور رس نگاہ نے سب سے پہلے اپنی فرمانبردار رعایائے ملک کی ذہنیت، اختلاف قومیت و مذاہب اور مقتضائے وقت سے اندازہ کر لیا کہ تمام ممالک محروسہ میں تعلیم کو عام کرنے کے لیے کیسا تدریجی طریق عمل اختیار کیا جائے کہ شہری و قصباتی رعایا سے گزر کر دیہاتی رعایا بھی تعلیمی فیضان سے محروم نہ رہے اور تعلیم اُن کے افلاس اور درماندگی کو دور کر سکے۔

نیز ممالک محروسہ کے تمام نظام تعلیم کے گہرے مطالعے کے بعد جو خوشگوار نقش ہر مفکر کے دل پر بیٹھتا ہے وہ حضورِ پُرنور کی اِس فیضِ عام حکمت عملی کا ہے کہ آپ نے باوجودیکہ یورپ کے علوم و فنون کے تعلیم دلانے میں کروڑہا روپے کے دریا بہا دیے ہیں، ادبی و طبیعیاتی تعلیم کے پہلو بہ پہلو مذہبی و

اخلاقی شعبے بھی کھلوا دیے ہیں۔ اِس کا مقصد خاص یہ ہے کہ رعایائے ملک بالکل یورپ زدہ نہ ہو جائے اور اپنی ایشیائی روحانی خصوصیات کو بالکل کھو نہ بیٹھے۔ دوسرا پہلو اِس حکمت عملی کا وہ حوصلۂ مردانہ ہے جس نے کسی خاص قوم یا خاص مذہب سے قطع نظر کر کے اپنے نظام تعلیم کو ہر قوم اور ہر مذہب کے لیے وسیع کر دیا ہے اور اِس طرح عملی طور پر ایک ملکی قومیت کی داغ بیل ڈالی ہے۔

اب تک ہندوستان کے سیاسی اہل نظر نے قومی اور مذہبی بیگانگی کے دور کرنے کی ہزار ہا کوششیں کیں اور ایک ہندوستانی قومیت کا نظریہ پیش کیا، اِس بحث پر ہند کے نامور لوگوں نے دھواں دھار تقریریں کیں اور بڑے بڑے نادر مضامین لکھے مگر وہ نظریہ آج تک عمل میں نہ آسکا۔ ہمارے اعلیٰ حضرت بندگان عالی نے نظام تعلیم ہی ایسی وسیع النظری سے منظور فرمایا کہ ایک ملکی قومیت، خود بخود تشکل ہو گئی اور امید ہے کہ آیندہ یہ مبارک نظریہ ہمارے ملک کی مذہبی بیگانگی کو بالکل مٹا دے گا، اور عاقبت اندیش نوجوانان ملک اِس نوزائیدہ "ملکی قومیت" کو رواداری کے زیر سایہ رکھیں گے۔

ایسے عظیم الشان لائحۂ عمل کا سب سے پہلا قدم یہ تھا کہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے اُس تمام تعلیمی جد و جہد کو قائم رکھ کر جو پہلے سے ممالک محروسۂ سرکارِ عالی میں جاری تھی، پہلے پہل ریاست کے طول و عرض میں جا بجا لوئر پرائمری مدارس کھولنے، زبان ملکی اور اُردو میں تعلیم دینے کی منظوری دی، رفتہ رفتہ اِن مدارس کو اپر پرائمری کیا گیا اور ساتھ ہی ساتھ انگریزی تعلیم کے لیے بھی جماعتیں کھول دی گئیں اور جہاں رعایا کے بچے تحصیل علم پر زیادہ مائل نظر آئے وہاں ہائی اسکول بھی قائم کر دیے گئے۔ سالانہ تعداد

کامیابی سے معلوم ہونے لگا کہ رعایائے ملک میں تعلیم کا شوق موجود ہے، صرف ضرورت یہ ہے کہ گورنمنٹ اِن ناآزمودہ کاروں کو ایسے راستوں پر لگائے جو خود رعایا کے لیے نتیجہ خیز اور گورنمنٹ کے لیے صلح و امن کا باعث ہو۔

تاسیسِ جامعۂ عثمانیہ

اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے ایک مشیرِ تعلیمات کا تقرر کیا تاکہ سلطنت کے سررشتۂ تعلیم میں جن اصلاحوں اور ترقیوں کی ضرورت ہو اُن پر مکمل رپورٹ پیش کرے۔ مشیرِ تعلیمات کی رپورٹ پیش ہونے پر ابتدائی اور ثانوی تعلیم کی تنظیم از سرِنو کی گئی۔ اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کی نسبت توجہ شروع ہوئی۔ ۱۹۱۷ء کے شروع میں سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے جو اُس وقت معتمد تعلیمات سرکارِ عالی تھے ایک نہایت مفصل و مدلل معروضہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی حضور میں پیش کیا جس میں تعلیم کی موجودہ حالت پر نظر ڈالنے اور اُن نقائص پر بحث کرنے کے بعد جو غیر زبان کے ذریعے تعلیم دینے سے پیدا ہوتے ہیں یہ تجویز پیش کی تھی:

"... موجودہ طریقۂ تعلیم اور بے اصولی کو مٹانے اور اُن خطرناک اور تباہ کن نقائص کو رفع کرنے کے لیے جو موجودہ طریقۂ تعلیم نے پیدا کیے ہیں اور جو گھن کی طرح ہمارے نظامِ تمدن و معاشرت، قوائے دماغی و جسمانی کو اندر ہی اندر کھائے چلے جا رہے ہیں ہمیں ایک جدید یونیورسٹی کی ضرورت ہے جس کی بنیاد صحیح اصولِ تعلیم، ملکی ضروریات اور قومی خصائص پر قائم ہو جس میں قدیم و جدید دونوں طرح کی خوبیوں

سے فائدہ اُٹھایا جائے جو تعلیمی بھی ہو اور امتحانی بھی اور ساتھ ہی ساتھ تالیف و ترجمہ کا کام بھی کرے اور جو تربیت ذہن اور تحصیل علوم، دونوں کے لیے اپنی ہی زبان یعنی اردو کو کام میں لائے۔"

اِس عرضداشت میں موجودہ طریقۂ تعلیم کے اُن نقائص کو بیان کیا گیا تھا جو غیر زبان میں تعلیم دینے سے پیدا ہوتے ہیں، مثلاً طلبہ کے حافظے پر ایک نامناسب اور بلاضرورت باریوں بھی پڑ جاتا ہے اور اِسی بنا پر اصل مضمون پر حاوی ہونے کا موقع نہیں مل سکتا اور طبیعت میں اصلیت کا جوہر نہیں پیدا ہوتا۔

اُردو، ریاست کی علمی اور سرکاری زبان ہے اور تمام شائستہ حلقوں میں اچھی طرح بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ اُردو زبان کی یہ صلاحیت عام طور پر مسلمہ ہے کہ وہ علمی مضامین کو آسانی سے ادا کر سکتی ہے۔ مشہور مورخ مسٹر وی۔ اے۔ اسمتھ نے اپنی "تاریخ ہند" کے آخری باب میں جامعۂ عثمانیہ کی تاسیس کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُردو کی موزونیت کی شہادت اِس طرح دی ہے:

"اپنی سادگی اور تراکیب نحوی کی سہولت اور اپنے لغات کی غیر معمولی فراوانی کی وجہ سے جو مغربی ہندی، سنسکرت، فارسی، عربی، انگریزی اور دوسری زبانوں سے ماخوذ ہیں اُردو انگریزی کے مشابہ ہے اور یہ زبان ہر ادبی، فلسفی اور علمی موضوع کے متعلق اظہار خیالات کی حامل ہو سکتی ہے۔"

سلطان العلوم نے جن کی توجہ اور دلچسپی ترقیِ تعلیم میں ضرب المثل ہے

سر اکبر حیدری کی رائے کو قبول فرمایا، اور از راہ مرحمت خسروانہ یہ فرمان نافذ ہوا:

"مجھے بھی عرضداشت اور یادداشت کی مصرحہ رائے سے اتفاق ہے کہ ممالک محروسہ کے لیے ایک ایسی یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں قدیم و جدید مشرقی و مغربی علوم و فنون کا امتزاج اِس طور سے کیا جائے کہ موجودہ نظام تعلیم کے نقائص دور ہو کر جسمانی اور دماغی اور روحانی تعلیم کے قدیم و جدید طریقوں کی خوبیوں سے پورا فائدہ حاصل ہو سکے اور جس میں علم پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ ایک طرف طلبہ کے اخلاق کی درستی کی نگرانی ہو اور دوسری طرف تمام علمی شعبوں میں اعلیٰ درجہ کی تحقیق کا کام جاری رہے۔"

"اِس یونیورسٹی کا اصل اصول یہ ہونا چاہیے کہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ ہماری زبان اُردو قرار دی جائے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی بحیثیت ایک زبان کے ہر طالب العلم پر لازمی گردانی جائے۔ لہٰذا میں بہت خوشی کے ساتھ اجازت دیتا ہوں کہ میری تخت نشینی کی یادگار میں اصول محولہ عرضداشت کے موافق ممالک محروسہ کے لیے حیدرآباد میں یونیورسٹی قائم کرنے کی کارروائی شروع کی جائے۔ اِس یونیورسٹی کا نام عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد ہوگا۔"

بعض حلقوں میں یہ تجویز انقلابی سمجھی گئی مگر تجویز کو عمل میں لانے کے قبل سر اکبر حیدری نے ہندوستان کے نہایت ہوشیار ارباب علم سے مشورہ کیا۔ کلکتہ یونیورسٹی کمیشن اور تعلیم کے دیگر سربرآوردہ ماہروں نے اِس تجویز کو پسند کیا۔ ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی سی ممتاز ہستی نے اِس یادگار زمانہ تجویز کا پُرجوش خیر مقدم کرتے ہوئے سر اکبر حیدری کے نام یہ خط بھیجا:

"میں مدتوں سے اُس دن کا انتظار کر رہا تھا جب کہ غیر ملکی زبان

کے طوق و سلاسل سے آزاد ہو کر ہماری تعلیم بالطبع سب اہل ملک کے لیے سہل الحصول ہو جائے گی۔ اِس وقت کی حالت تو یہ ہے کہ ہمارے اہلِ ملک کو گویا پیدایش کے وقت سے ہندوستانی زبان بولنے کی سزا مل رہی ہے، وہ اعلیٰ تعلیم کے مواقع سے ایک حادثۂ اتفاقی کی وجہ سے محروم ہیں جس کے لیے اُنھیں شرمندہ یا رنجیدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ جب تک ہندوستان میں موجودہ صورتِ حال قائم ہے اُس وقت تک یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ علم و تہذیب کے دولتِ عامّہ میں ہمارے ملک کو اِس کی حقیقی جگہ مل سکے گی۔

"یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے حل کے لیے ہماری آنکھیں ایسی ریاستوں کی طرف لگی ہوئی ہیں اور مجھے نہایت مسرت ہوئی کہ آپ کی ریاست ایک جامعہ قائم کرنے کی تجویز کر رہی ہے جس میں تعلیم اُردو کے ذریعے سے ہو گی۔ یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ آپ کی تجویز کو میری کامل پسندیدگی حاصل ہے، خاص کر جب میں یہ جانتا ہوں کہ یہ مثال آپ کی ریاست سے باہر اُن لوگوں کی بھی ممد و معاون ہو گی جو اِس تحریک کے تنہا حامی ہیں اور جنھیں ذی ہوش اور محتاط لوگ خواہ مخواہ سبک نظروں سے دیکھتے ہیں۔ آپ کی قرارداد میں جس پر مجھے اعتراض ہو سکتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ آپ کی مجوزہ جامعہ کی نسبت یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ بظاہر یہ نمونہ تجربے کی نوعیت کا ہو گا۔ اپنی زندگی کے آغاز ہی میں آپ کے ارادوں میں اِس قسم کا شک و شبہہ نہ ہونا چاہیے اور آپ کو عزم بالجزم کے ساتھ اِسے دشواریوں اور کوتاہیوں سے گزارتے ہوئے آخری تکمیل تک پہنچانا چاہیے۔ ہمارا عقیدہ قوی ہونا چاہیے کیونکہ ہماری راہ میں بڑی بڑی مشکلیں حائل ہیں۔"

جامعۂ عثمانیہ کا پہلا تعمیری کام یہ تھا کہ ایک شعبۂ تالیف و ترجمہ قائم کیا گیا۔ اِس شعبے کا کام بہت تعریف کے قابل ہے، خصوصاً جب اُن مشکلات کا اندازہ کیا جائے جو ترجمے میں پیش آتی ہیں۔ اِن دقتوں کے علاوہ ایک کام وضع اصطلاحات کا ہے جس میں مختلف علوم کے ماہروں کی مجلسیں مصروف رہتی ہیں اور اب تک کئی ہزار علمی اصطلاحیں وضع ہو چکی ہیں۔ یہ سررشتہ اب تک اُن تمام مضامین پر جو جامعہ کی تدریس میں داخل ہیں ۳۶۹ کتابوں سے اُردو زبان کو مالا مال کر دینے کا باعث ہوا۔ اِس علمی ادارے کے عمل کی وسعت کا اندازہ اِس امر سے بآسانی ہو سکتا ہے کہ اب اِس کا خرچ ڈھائی لاکھ روپیہ تک پہنچ گیا ہے۔ اب تک ۲۰۴ کتابیں شائع ہوئی ہیں، ۷۷ کتابیں زیر طبع ہیں، ۱۵ کتابیں زیر نظر ثانی ہیں اور ۳۷ کتابیں زیر ترجمہ یا زیر تالیف ہیں۔ دارالترجمہ کا یہ کام انگریزی کی تمام بہترین اور مستند کتابوں کا ترجمہ ہے۔ یہ تاریخ، جغرافیہ، دستورِ انگلستان، معاشیات، عمرانیات، فلسفہ، منطق، مابعد الطبیعیات، نفسیات، اخلاقیات، قانون، ریاضیات، طبیعیات، کیمیا، حیاتیات، طب، انجنیری اور اصطلاحات کی بیش بہا کتابوں پر مشتمل ہے۔ بعض کتابیں عربی اور فارسی، فرانسیسی اور جرمن زبان سے بھی ترجمہ کرائی گئیں۔ موجودہ رفتار سے خیال ہوتا ہے کہ آیندہ جیسے جیسے وقت ملے گا اور علمی زبانوں کے ترجمے بھی اُردو میں ہوتے رہیں گے۔

یہاں اُس نمایش کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو آخر اکتوبر ۱۹۲۹ء میں دہلی میں انٹر یونیورسٹی کانفرنس کے موقعے پر جامعۂ عثمانیہ کی جانب سے سررشتۂ تالیف و ترجمہ کی مطبوعات و مسوّدات تراجم کی ترتیب دی گئی

تھی۔ ۳۰ ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو کانفرنس کے افتتاحی ایڈریس کے بعد ہز ایکسلنسی لارڈ اروِن (اُس وقت کے ویسرائے ہند) اسمبلی روم سے اُس شامیانے میں تشریف لے گئے جہاں جامعہ کے تراجم و تالیفات کی نمائش ترتیب دی گئی تھی۔ ہمراہیوں میں پرائیوٹ سکرٹری، مسٹر وولز، پریسیڈنٹ انٹر یونیورسٹی کانفرنس، سر اکبر حیدری اور مسٹر شیشادری، سکرٹری کانفرنس، تھے۔ حضور ویسرائے اور ہمراہیوں کے داخل ہونے کے بعد ہی گورنمنٹ آف انڈیا اسٹیٹ کونسل کے ارکان شامیانے میں آئے۔ سر اکبر حیدری نے تراجم و تالیفات جو مختلف میزوں پر سلیقے سے ترتیب دی گئی تھیں، حضور ویسرائے کو ملاحظہ کرائیں۔ ملاحظے کے دوران میں حضور ویسرائے بار بار فرماتے رہے کہ "یہ حیرت انگیز کارنامہ" ہے۔

انٹر یونیورسٹی کانفرنس کے اجلاس ۳۰ ر اکتوبر سے پہلی نومبر ۱۹۲۹ء تک ہوتے رہے۔ ہندوستان کی سب یونیورسٹیوں کے معزز نمایندوں نے تراجم و تالیفات کو ملاحظہ کیا۔ اکثر لوگوں کے چہروں سے حیرت ظاہر ہوتی تھی۔ بہت سے طرح طرح کے جملوں میں تعریف کرتے تھے اور بہت ایسے تھے جو بالکل محو حیرت تھے۔ غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ کسی یونیورسٹی نے اپنی مطبوعات ایک ایسے بڑے مجمع کو جس میں ہندوستان کے بڑے بڑے ماہران تعلیم اور سیاسی حکمران ہوں دکھائی ہوں۔

جامعۂ عثمانیہ کے تعلیمی کام کا آغاز کلیۂ جامعۂ عثمانیہ کے افتتاح کے ساتھ اگست ۱۹۱۹ء سے ہوا اور انٹرمیڈیٹ سے ابتدا کی گئی اور سال بسال اعلیٰ جماعتوں کا اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ بی۔ اے کا پہلا امتحان ۱۹۲۳ء میں اور ایم۔ اے۔ اور ایل ایل۔ بی۔ کے اوّلین امتحانات

۱۹۲۵ء میں آغاز ہوئے۔ جامعہ میں انگریزی زبان کی تعلیم لازمی ہے۔ اِس کا معیار وہی رکھا گیا ہے جو دوسری یونیورسٹیوں کا ہے۔ طلبہ کا دائرۂ عمل جامعہ کی مطبوعہ کتابوں ہی تک محدود نہیں ہے۔ جامعہ کے طلبہ پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ مختلف مضامین کی انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیں تاکہ وہ انگریزی ادب میں جو بیش بہا خزانے موجود ہیں اُن سے پورا فائدہ اٹھا سکیں۔ اختیاری مضامین کا معیار اتنا ہی بلند ہے جتنا دوسرے جامعات میں ہے بلکہ بیشتر مضامین میں دوسری یونیورسٹیوں سے بلند تر ہے۔ برطانوی ہند کے جامعات کے اکثر پروفیسر جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ کے ممتحن مقرر کیے گئے ہیں جن میں اکثروں کی یہ رائے رہی ہے کہ جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ نے جو کچھ پڑھا وہ اچھی طرح اُن کے دل نشین ہو گیا اور اُن طلبہ کے مقابلے میں جو انگریزی میں تعلیم حاصل کرتے ہیں جامعۂ عثمانیہ کے طلبہ میں جدّت اور علم فہمی زیادہ ہے اور اپنے مافی الضمیر کو وہ بہتر طریقے سے ادا کر سکتے ہیں۔

کلیۂ جامعہ عثمانیہ میں فنون اور دینیات کے شعبوں میں ایم۔ اے۔ تک، سائنس کے شعبے میں ایم۔ ایس سی۔ تک اور قانون کے شعبے میں ایل ایل۔ بی۔ تک تعلیم ہوتی ہے۔ اِس کلیہ کے علاوہ اور کلیات کا الحاق بھی جامعۂ عثمانیہ سے ہو گیا ہے؛ مثلاً کلیۂ طب، کلیۂ انجنیری، کلیۂ تعلیم المعلمین، زنانہ کالج، سٹی انٹرمیڈیٹ کالج، اورنگ آباد انٹرمیڈیٹ کالج، گلبرگہ انٹرمیڈیٹ کالج اور ورنگل انٹرمیڈیٹ کالج۔ ان تمام ادارات میں طلبہ کی مجموعی تعداد تقریباً (۱۲۰۰) ہے۔ اور اِس وقت جامعہ کے مصارف ۲۳ لاکھ سالانہ ہیں۔

جامعہ کی روز افزوں ضروریات کے پیشِ نظر شہر کے مضافات میں

بمقام اڈیکمیٹ ایک بڑا قطعہ اراضی جس کا رقبہ کم و بیش چودہ سو ایکڑ ہے جامعہ کی عمارات کے لیے حاصل کیا گیا ہے تاکہ عمارات کو ایسا رفیع الشان بنایا جائے جو جامعہ کے محترم بانی کی شان کے مطابق ہو، اور سلطان العلوم نے کارِ تعمیر کے لیے فی الحال معتدبہ رقم کی منظوری بھی صادر فرمادی ہے۔

تعمیر کا کام سرعت کے ساتھ ہو رہا ہے، اُمید ہے کہ چار پانچ سال میں یہ اتمام کو پہنچ جائے گا۔ اِن مستقل عمارات کی تکمیل میں چونکہ کچھ مدت درکار ہو گی اِس لیے اڈیکمیٹ میں عارضی عمارتیں تیزی کے ساتھ تیار کی گئی ہیں اور آذر ۱۳۴۴ف میں جامعہ کے مختلف ادارے اِن عارضی عمارتوں میں منتقل ہو گئے ہیں۔

، ستمبر ۱۹۳۴ء کو پونہ میں مبئی پریسیڈنسی مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا تھا۔ اِس میں سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے جو خطبۂ صدارت پڑھا اُس کا اقتباس یہاں درج کرنا اِس لیے دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ جامعۂ عثمانیہ اور اُردو کی عام مقبولیت اور اُردو کے محسنِ اعظم تاجدارِ دکن کی فیاضی اور سرپرستی کی اِس سے صحیح ترجمانی ہوتی ہے:

"اُردو زبان کو ملک کے طول و عرض میں عام مقبولیت حاصل ہے جس میں روزافزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ اِس زبان کی تین خصوصیات ہیں: اِس کا اختصار، اِس کی پاکیزگی، اِس کی لچک اور اِس زبان میں اِس زمانے کی ترقیات سائنس کو قبول کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔

"حیدر آباد کی جامعۂ عثمانیہ سے جو میری ذاتی دلچسپی ہے اُس سے آپ بے خبر نہیں ہیں۔ یہ ایک ایسی یونیورسٹی ہے جہاں اُردو کے ذریعے تعلیم دی جاتی

ہے۔ آج سے چند سال قبل میں اس یونیورسٹی کے بارے میں محض اس قدر کہہ سکتا
تھا کہ یہ ایک اُمید افزا اور دلیرانہ تجربہ ہے۔
"حکومت سرکار نظام نے سائنس اور دیگر علوم کے ترجمے کا جو کام کیا
ہے اُس کا عام طور پر علم نہیں ہے۔ اگر محض اِس ایک کام کو پیش نظر رکھا جائے،
اور یہ وہ کام ہے جس کے سوا اور بھی بہت سے اہم اور ضروری کام انجام
پا رہے ہیں، تو میرے خیال میں آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ زبان اُردو
کی سرپرستی اور اُس کے ذریعے ہندوستان میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے
کے بانی مبانی اعلیٰ حضرت تاجدار دکن ہی ہیں اور ہندوستان، خسرو دکن کا
مرہون منت ہے۔"

طلبۂ جامعہ میں قوّتِ عمل

اعلیٰ حضرت شہریار دکن نے جن نظریات کے تحت عثمانیہ یونیورسٹی کی
تشکیل کی اور کلیات جامعہ نے عملی طور پر علوم و فنون کے پھیلانے کی جو خدمت
انجام دی وہ، چند مستثنیات سے قطع نظر کر کے، بیشتر اشکال میں ہمت
افزا رہی۔ طلبہ نے اپنے اپنے اساتذہ کی امداد حاصل کر کے انجمنِ اتحاد،
بزم قانون، بزم سائنس، بزم تاریخ، بزم معاشیات، بزم شعرا اور مختلف چھوٹے چھوٹے
ادارے قائم کیے، انجمن علمیہ اور معاشرتی جلسے بڑی کامیابی سے ہونے لگے،
طلبہ نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق علمی مقالے پیش کرنے شروع کر دیے۔
بعض طلبہ نے انگریزی اور اُردو میں برجستہ تقریر کرنے کی بہت کامیاب
مشق پیدا کر لی اور بعض نے مشرقی اور مغربی ڈراما کو بڑی خوش اسلوبی سے

علمی و عملی حیثیت میں پیش کیا۔

مغربی و مشرقی کھیلوں اور ورزشِ جسمانی میں طلبۂ یونیورسٹی نے کافی حصہ لیا ہے اور تیراکی میں بھی ایک طالب علم نے انگلش چینل میں کامل تین دن تک تیر کر شہرت حاصل کی۔ ایام تعطیلات میں طلبہ کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں کسی ایک معلّم کی زیر نگرانی سیر و تفریح کے لیے بھی نکلتی ہیں اور تاریخی و طبیعیاتی معلومات حاصل کر کے اپنے مشاہدات کو دیگر طلبہ کے سامنے پیش کرتی ہیں۔

ان تمام سرگرمیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ فارغ التحصیل طلبۂ جامعہ کی تعداد ترقی کرنے لگی اور اُن کو جامعہ کی فضا سے باہر ہونے کے بعد بھی اپنی علمی دلچسپیوں کی یاد ستانے لگی؛ چنانچہ طلبۂ قدیم نے ایک مجلس "مجلس علمیہ" قائم کی جس کے مقاصد خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

(۱) کلیۂ جامعۂ عثمانیہ کے قدیم طلبہ میں ذہنی اور علمی رابطہ پیدا کرنا۔

(۲) ملک میں عام طور پر علمی فضا پیدا کرنا۔

(۳) اُردو زبان و ادب میں توسیع و اضافہ کرنا۔

یہ مجلس اپنا کام پوری تن دہی سے انجام دے رہی ہے اور علمی و عملی حیثیت سے اپنے مقاصد کی تکمیل کر رہی ہے۔

کلیۂ جامعۂ عثمانیہ سے ایک ماہی رسالہ اُردو اور انگریزی میں شائع ہو رہا ہے جس میں طلبہ و اساتذہ کے بہترین مضامین نظم و نثر مختلف علمی موضوعات پر بڑی آب و تاب سے نکلتے ہیں اور اِس طرح طلبۂ جامعہ کی کد و کاوش اور جد و جہد کا بہترین اظہار ہوتا رہتا ہے۔

طلبۂ جامعہ نے اپنے ملک کے دوسرے فنی کالج کے امتحانات مقابلہ میں دوسری یونیورسٹیوں کے کامیاب طلبہ پر نمایاں سبقت حاصل کی؛

چنانچہ کلیۂ طبیہ، کلیۂ انجنیری اور حیدرآباد سیول سروس میں طلبۂ جامعہ نے اپنی قابلیت کا پورا پورا ثبوت دیا اور ریاست کی فنی خدمات اور علاقہ جات مال و عدالت و پولیس، وغیرہ، میں ایسا کام انجام دے رہے ہیں جس کی اُن کی ذہانت اور بیدار مغزی سے اُمید ہو سکتی ہے۔

طلبۂ جامعہ کی ایک مختصر تعداد ہر سال بیرونجات ہند اور یورپ کو سرکاری وظائف کو جا رہی ہے اور یہ بڑی مسرت کا مقام ہے کہ عموماً یہاں کے طالب علم اعزازی کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ ہم میر سیادت علی خاں صاحب کو پیش کرتے ہیں۔ یہ مولوی فاضل (پنجاب)، ایم۔ اے۔، ایل ایل۔ بی (عثمانیہ) کر کے آکسفرڈ سرکاری وظیفے پر بھیجے گئے۔ جہاں سے اُنھوں نے ڈی۔ فل، بی۔ سی۔ ایل۔ کا امتحان پاس کیا اور اب کلیۂ جامعۂ عثمانیہ کے پروفیسر قانون ہیں۔

سید یسین علی خاں صاحب بی۔ اے۔ (عثمانیہ) نے ڈھاکہ یونیورسٹی سے ایم۔ ایس سی۔ ابتدائی کا امتحان امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا اور سرکاری وظیفہ تعلیمی پر لندن یونیورسٹی سے بی۔ ایس سی۔ آنرز کی ڈگری شعبۂ انجنیری میں حاصل کی۔ چونکہ یہ یونیورسٹی بھر میں اوّل آئے تھے اِس لیے اُن کو لندن یونیورسٹی سے "چاڈوک میڈل" عطا ہوا۔

میر ولی الدین خاں صاحب بی۔ اے۔ (عثمانیہ) نے ڈھاکہ سے ایم۔ اے۔ پاس کیا اور پھر سرکاری وظیفے پر لندن بھیجے گئے۔ یہاں اُنھوں نے پی ایچ۔ ڈی۔ (فلسفہ) کی ڈگری حاصل کی اور بیرسٹری کا امتحان بھی پاس کیا۔

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اُنھوں نے بی۔ اے۔ کا امتحان جامعۂ عثمانیہ سے درجہ اوّل میں امتیاز کے ساتھ کامیاب کیا اور

سرکاری وظیفے پر کیمرج یونیورسٹی سے بی۔ اے۔ اور گوٹنجن یونیورسٹی سے پی ایچ۔ ڈی۔ (ریاضیات) کی امتیازی ڈگری حاصل کی اور اب یہ نوجوان ہونہار ہندوستان کی اکثر یونیورسٹیوں میں ریاضیات کا ممتحن قرار پارہا ہے۔ یہ چند مثالیں ہیں مگر درحقیقت ایسے متعدد نوجوان ہیں مثلاً ڈاکٹر غلام محی الدین قادری صاحب، ڈاکٹر سید حسین صاحب، ڈاکٹر قاری کلیم اللہ صاحب، محمد ضیاء الدین انصاری صاحب، مولوی خواجہ محمد نعمت اللہ خاں صاحب، پروفیسر سید محمد علی خاں صاحب، جو مختلف فنی اور علمی ڈگریاں لے کر آچکے ہیں اور ملک کے علمی اداروں اور دوسرے سررشتوں میں کام کر رہے ہیں۔ یہ کام یونیورسٹی کی تاریخ لکھنے والے کا ہے کہ وہ طلبۂ جامعہ کی سال بسال کی جد وجہد کو نام بنام تفصیل سے بیان کرے۔

اِس تعلیمی شغف نے جامعہ کے طلبہ میں بیرونجات کے جانے اور علمی مسابقت کر کے بڑی بڑی ڈگریاں حاصل کرنے کا شوق ازحد بڑھا دیا ہے؛ چنانچہ بکثرت طلبہ سرکار سے قرض حاصل کر کے خصوصاً انگلستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں ہر سال داخل اور امتیازی کامیابی حاصل کر رہے ہیں۔ کلیہ کے پروفیسروں نے سرکار سے قرض لے کر اپنے اپنے مضامین کی ڈگریاں حاصل کیں اور اِس طرح جامعۂ عثمانیہ کے زیر اثر کلیات میں بہترین ڈگری یافتہ اساتذہ کی کمی نہیں ہے۔

ہندوستان اور یورپ کی بیشتر علمی انجمنوں میں جامعۂ عثمانیہ کی طرف سے چند پروفیسر بحیثیت نمائندہ روانہ کیے گئے جہاں اُنھوں نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی اور قابلیت کے ساتھ انجام دیا۔

جامعہ کے نظام اور کلیات کا معائنہ اب تک متعدد کمیشنوں اور کمیٹیوں

نے کیا ہے جن میں خاص طور پر ہار ٹوگ کمیٹی کا معائنہ قابل ذکر ہے جو سائمن کمیشن کی ذیلی تعلیمی کمیٹی تھی اور متعدد یونیورسٹیوں اور علمی اداروں کی بڑی بڑی علمی و سیاسی شخصیتوں نے جامعہ کے نظام اور اُس کے ساتھ کلیات کی علمی سرگرمیوں، طلبہ کی ذہانت و جدت طبع کی تعریف کی ہے اور خاص کر اِس بنا پر جامعہ کے طریقۂ تعلیم کو بنظر استحسان دیکھا ہے کہ یہ جامعہ اہل ہند کو انھیں کی زبان میں اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دینے کا اہتمام کر رہی ہے اور اِس میں شبہہ نہیں کہ یہ جامعہ اپنے تعلیمی فوائد اور سہولتوں کے اعتبار سے تمام برٹش انڈیا کی رہنمائی کے لیے نمونہ بن گئی ہے۔

جامعۂ عثمانیہ کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہے کہ اُس کی علمی سرگرمیوں نے اپنے فرزندانِ تعلیم سے گزر کر خصوصاً بلدہ حیدرآباد اور عموماً مستقرہائے اضلاع و قصبات کی رعایا میں ایک عام علمی چہل پہل پیدا کر دی ہے۔ اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی دورِ حکمرانی میں جس قدر اخبارات اور رسالے حیدرآباد، سکندرآباد اور بعض مستقرہائے اضلاع سے نکل رہے ہیں اُن کی نظیر کسی گزشتہ دور میں پائی نہیں جاتی۔ یہ اخبارات اور رسائل زیادہ تر اُردو زبان میں ہیں مگر تعداد اشاعت میں ہم کو انگریزی، تلنگی، مرہٹی اور کنڑی اخبارات و رسائل کے نام بھی ملتے ہیں۔

اِسی کے ساتھ اخبار بینی اور مطالعۂ رسائل کا شوق پبلک میں بہت ترقی کر گیا ہے اور جتنی بڑی تعداد بیرون ملک کے اُردو اخبارات و رسائل کی خاص کر شہر حیدرآباد میں داخل ہوتی ہے اُتنی بڑی تعداد ممکن ہے کہ ہندوستان کے کسی بڑے سے بڑے شہر میں درآمد ہوتی ہو۔ اُردو کے علاوہ انگریزی، جرمن، فرانسیسی، عربی، فارسی، ترکی، بنگالی، ہندی، پنجابی، مارواڑی، گجراتی، تلنگی،

مرہٹی، کنڑی، تامل، ملیالی زبان کے بیرونی اخبارات و رسائل بھی ملک حیدرآباد میں داخل ہوتے ہیں۔

اس علمی شغف نے مطابع کی تعداد میں نمایاں اضافہ کر دیا ہے۔ روز روز لیتھو پریس بڑھتے جا رہے ہیں اور تعلیم یافتہ نوجوان تصنیف و تالیف اور تراجم کی طبع و اشاعت میں مشغول ہیں شاید موجودہ اضافہ مطابع بھی مصنفین و مولفین کی ضروریات کے لیے کافی نہیں ہے اس لیے دیکھا جاتا ہے کہ اکثر کتابیں بیرونی مطابع سے چھپوائی جاتی ہیں۔

نستعلیق ٹائپ

اب تک جامعۂ عثمانیہ کی کتابیں دار الطبع جامعۂ عثمانیہ میں طبع ہوتی رہی ہیں۔ مگر چند سال سے سرکار عالی کی سرپرستی میں سررشتۂ طباعت سرکار عالی میں نستعلیق ٹائپ کا تجربہ کیا جا رہا ہے۔ ابتداءً سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر معتمد تعلیمات و امور عامہ سرکار عالی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ بنظر سہولت اگر طباعت کا کام ٹائپ کے ذریعے عمل میں لایا جائے تو مناسب ہوگا۔ اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ نے از راہ مرحمت خسروانہ سر اکبر حیدری کی تجویز کو اس شرط کے ساتھ شرف قبول عطا فرمایا کہ جو ٹائپ ڈھالے جائیں وہ تا حدِ امکان نستعلیق طرز کے مطابق ہوں۔ بے انتہا زحمت اور متواتر تجربات کے بعد ایسا نستعلیق ٹائپ ایجاد کیا گیا ہے جو آج تک کی تمام نستعلیق ایجادوں کی بہ نسبت اُردو املا کے جوڑ پیوند پر زیادہ حاوی اور بہ اسی نسبت سے سہل بھی ہے۔ اس لیے جامعۂ عثمانیہ کے ارباب حل و عقد نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آیندہ جامعہ کی سب درسی کتابیں اسی ٹائپ میں طبع

کی جائیں۔

بہتر ہوتا اگر اِس موقعے پر نستعلیق ٹائپ کے متعلق اُن تمام اتفاقی کوششوں کا اجمالاً ذکر کیا جاتا کہ کس طرح انگلستان، جرمنی، مصر، ترکی، شام اور ایران کے اہلِ فن نے سائنس داں لوگوں کی امداد حاصل کر کے ٹائپ کے ڈھالنے اور کمپوز کرنے پر بیش قرار روپیہ اور محنت لگا دی اور بالآخر ناکامی کے ساتھ اِس کام کو ترک کر دیا۔ سوائے ایرانی ٹائپ کے مابقی ٹائپ ازحد بھدے، بدصورت، اور بے قاعدہ تھے تاہم اہلِ ایران بھی اپنے ٹائپ سے مطمئن نہ ہوئے اور انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ نستعلیق کی خصوصیتیں ٹائپ میں پیدا ہونی محال ہیں، چنانچہ اہلِ ایران نے بھی اس کام سے کنارہ کیا مگر ہندوستان برابر اِس کوشش میں سرگرم رہا۔ اُنیسویں صدی عیسوی کی ابتدا میں فورٹ ولیم کالج، کلکتہ، نے ایک ٹائپ ایجاد کیا تھا جس کے جوڑ بارہ تیرہ سو سے زیادہ تھے اِس لیے وہ مقبول نہ ہو سکا۔ اِس کے بعد اکانومیکل پریس، لاہور، نے کوشش کی اور اِن جوڑوں کو گھٹا کر تقریباً چھ سو سے نے کر سات سو تک کر دیا۔ اِس نے ایک نئی بات یہ کر دی کہ نقطے حرفوں سے جُدا کر دیے، یعنی لفظ کمپوز کرنے کے بعد منقوط حروف پر نقطے علٰحدہ جمانے پڑتے تھے۔ اِس لیے بعضوں کے خیال میں یہ فریکشنل ٹائپ (ٹکڑے دار) ہو گیا تھا۔ نقطے علٰحدہ ہونے کی وجہ سے اوّل تو ٹائپ میں کمزوری پیدا ہو گئی تھی، دوسرے کمپوزنگ میں بہت وقت صرف ہوتا تھا، تیسرے صحت کرتے وقت جب ایک لفظ یا حرف نکال کر اُس کی جگہ دوسرا حرف یا لفظ ڈالنا چاہتے تو بڑی زحمت ہوتی تھی۔ اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ اوّل تو غلطیاں بہت ہوتی تھیں، دوسرے علٰحدہ

نقطے ہونے کی وجہ سے ایک حرف کا نقطہ دوسرے حرف پر اور دوسرے کا تیسرے پر پہنچ جاتا تھا۔ بالفاظ دیگر جس حرف پر نقطہ کی ضرورت ہوتی وہاں تو نقطہ موجود نہیں ہوتا تھا بلکہ جس حرف پر نقطہ کی ضرورت نہیں ہوتی وہاں نقطہ لگ جاتا تھا، الغرض عبارت صحیح نہ پڑھی جانے کی اصولی دقت کی وجہ سے یہ ٹائپ بھی رائج نہ ہوسکا۔ اِس کے بعد بمبئی کی گجراتی فاؤنڈری نے بھی کوشش کی مگر اِس کا ٹائپ بھی مقبول نہ ہوسکا۔

حیدرآباد میں نستعلیق ٹائپ تیار کرنے کی کوشش مولوی عبدالحق صاحب، سکرٹری انجمن ترقی اُردو، اورنگ آباد، کے زمانۂ مددگاری معتمدی تعلیمات سے شروع ہوتی ہے۔ مولوی نظام الدین حسن مرحوم، رکن ہائی کورٹ، نے ایک ٹائپ تیار کیا تھا اور انگریزی ٹائپ کی طرح اُس کے حروف بھی علیحدہ علیحدہ رکھے تھے، مگر وہ کسی کو پسند نہ آیا۔ مدت دراز کے بعد سر اکبر حیدری نے بحیثیت معتمد تعلیمات و عدالت و امور عامہ اُردو ٹائپ کے متعلق سررشتۂ طباعت سرکارِ عالی کو توجہ دلائی۔ سررشتۂ طباعت سرکارِ عالی نے بیروت سے ٹائپ منگوایا۔ اوّل اِسی ٹائپ کو مکمل کرنے کی کوشش کی گئی۔ مگر جب اِس سے کام چلتا نظر نہ آیا تو اپنا ٹائپ خود بنانا شروع کر دیا۔ اِسی تحریک کے متوازی مرزا رفیق بیگ صاحب نے سرکارِ عالی کی مالی امداد سے ٹائپ تیار کیا۔ اُن کا ٹائپ خوب صورت اور کمتر جوڑ رکھتا تھا۔ مگر ٹائپ چونکہ ٹکڑے دار تھا اِس لیے یہ بھی رائج نہ ہوسکا۔ اِس اثنا میں سررشتۂ طباعت سرکارِ عالی میں متعدد اسکیمیں منظور ہوئیں اور طرح طرح کے ٹائپ ڈھالے گئے۔ بالآخر ایک نمونہ پسند کیا گیا جس پر اب بعض کتابیں طبع ہو رہی ہیں۔ یہ ٹائپ راجہ وینو گوپال پلے صاحب (حال ناظم طباعت سرکارِ عالی) اور قاری

عبدالکریم صاحب کی نگرانی میں تیار ہوا ہے ۔ اُمید ہے کہ مسلسل کوشش کے طفیل اس کی سب خامیاں دور ہو جائیں گی اور سارے ہندوستان میں یہ ٹائپ رائج ہو سکے گا ۔ الغرض یہ ظاہر ہے کہ ٹائپ کی ایجاد سے جو ادبی، تجارتی اور سیاسی سہولتیں پیدا ہوں گی وہ بجائے خود ایک شاندار کارنامہ ہوگا اور تاریخ ہندوستان میں دکن کی ایک نفع بخش کوششوں کی دائمی یادگار رہے گا ۔ یہ ساری جدّ وجہد حضور بندگانِ عالی کی دریا دلی اور ذاتی توجہ کی منّت پذیر ہے ۔ خدا سے دعا ہے کہ یہ شاہی فیضان سارے ہندوستان پر علم و فضل کا ہُن برسائے ۔

مالیاتی اِصلاحات

(فروری سنہ ۱۹۲۰ء میں سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر معتمدی تعلیمات و عدالت و امور عامہ سرکار عالی کی خدمت سے بمبئی کی صدر محاسبی سرکار عظمت مدار پر منتقل ہوئے سنہ ۱۹۲۱ء میں پھر اُن کو صدرالمہامی مالیات (فینانس) پر مامور کیا گیا) اس میں شک نہیں کہ سر اکبر حیدری مشہور ماہر مالیات ہیں اور یہ محض اُن کی قابلیت ہے کہ فینانس کے میزانیے کی خوبی سے ملک اعلیٰ پیمانے پر اپنی تجارتی صنعتی اور تعلیمی ترقیوں کو جاری رکھ سکا ہے ۔ موازنہ ببیل بندی (محکمہ وار تقسیم) کے اصول پر مرتب کیا گیا ہے اور ایک قرن سے اِسی اصول پر مملکت کے مالیاتی اور انتظامی امور نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہے ہیں خصوصاً ایسے زمانے میں جب کہ دُنیا بھر میں معاشی کساد بازاری پھیلی ہوئی ہے ؛ چنانچہ سنہ ۱۳۳۲ف کے موازنے کے ساتھ سر اکبر حیدری

کا جو نوٹ شائع ہوا ہے وہ عام مالیات کے متعلم کے لیے ایک مستقل درس ہے
اور مملکت دکن اس قابل ہے کہ مصارف میں کسی قسم کی تخفیف کیے بغیر
ملک کی فلاح و بہبود اور مادی ترقی کے ہر ایک اسکیم کو عملی جامہ پہنائے۔
یہ بھی ہمارے اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کا زرّین کارنامہ ہے کہ مملکت
کے جمع و خرچ میں بہ نسبت زمانۂ حکمرانی سابق کئی گنا اضافہ ہے اور ملک کا
کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کی ترقی و اصلاح سے حضور ممدوح کا فینانس
عاجز ہو۔

گول میز کانفرنس

۱۹۳۱ء سے ۱۹۳۳ء تک لندن میں گول میز کانفرنس کی تین
نشستیں ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے ہر موقع پر حیدرآبادی وفد کی صدارت
کے لیے سر اکبر حیدری کا انتخاب فرمایا مگر اس کے ساتھ ہی کانفرنس میں
پیش کرنے کی تحریکیں اور وہ تمام اہم مشورے جو حیدرآباد کی جانب سے
گول میز کانفرنس میں پیش کیے گئے وہ سب کے سب بالکل اعلیٰ حضرت
بندگانِ عالی کے دماغ کی پیداوار تھے اور وہاں کی جزئی سے جزئی کام
بھی حضور ممدوح کی رہنمائی سے سر اکبر حیدری نے انجام دیا۔ نواب صاحب
موصوف نے اس رہنمائی کی نہایت صحیح تعمیل کی اور بہت سرگرمی اور
خوبی سے حیدرآباد کی نمایندگی کا حق ادا کیا، چنانچہ ایک موقعے پر سر سیمویل ہور
نے سر اکبر حیدری کی اعلیٰ خدمات کی دل سے داد دی۔ اُنھوں نے اس کا
اعتراف کیا کہ جب تمام دُنیا کسی نہ کسی وجہ سے دولت کھو رہی ہے، سر اکبر حیدری

دولت پیدا کرنے میں کامیاب رہے۔ اِس بنا پر حیدرآباد کی مالیات کی حالت دوسرے ممالک کے مقابلے میں بہت اچھی ہے۔

گول میز کانفرنس کی نشستوں میں سر اکبر حیدری نے جو نمایاں کام کیے منجملہ اُن کے یہ بھی تھا کہ کانفرنس کے دوسرے ارکان پیچیدہ مسائل میں اُنھیں کے مشورے سے استفادہ کرتے رہے۔ انھوں نے اِس بات کو صاف کر لیا کہ وفاقیہ کی صورت میں حیدرآباد کی شاہی روایتیں بدستور جاری رہیں گی، مثلاً اِس کا اپنا سکہ اور ٹپہ (ڈاک) رائج رہے گا۔ لارڈ ولنگڈن نے بہ سلسلہ اجلاس ہائے کانفرنس ایک جلسے کی صدارتی تقریر میں سر اکبر حیدری کی پُرجوش الفاظ میں تعریف و ستایش کی اور کہا کہ جن کو حیدرآباد کے عصر جدید کی ترقیوں پر گہری نظر ڈالنے کا موقع ملا ہوگا وہ صاحب موصوف کی اِس رائے سے پورا اتفاق کریں گے کہ حیدرآباد کی مالیات کی درستی، نظم و نسق کی کامیابی اور تمام مادی ترقیوں میں سر اکبر حیدری کی گہری دلچسپی شریک رہی ہے اور ہر اصلاحی اور ترقی پذیر کام میں ان کا نمایاں حصہ رہا ہے۔

حیدرآبادی نمایندے کی ستایش دراصل بادشاہ حیدرآباد دکن کی ستایش ہے جن کی نظر انتخاب نے ریاست میں سے ایسے وزیر کا انتخاب فرمایا جس نے سرکار آصفیہ اور سرکار عظمت مدار کے تعلقات کو زیادہ خوشگوار کر دیا اور ہندوستان کی اِس سیاسی ہلچل میں جس کے تصفیے کے لیے سرکار عظمت مدار نے ہندوستان کے ہر پراونس اور ہر ریاست سے نمایندے طلب کیے تھے مملکت حیدرآباد کی نمایندگی کو تفوق حاصل رہا۔

محکمۂ آثارِ قدیمہ

آثار قدیمہ کے نقطۂ نظر سے مملکت آصفیہ تمام جزیرہ نمائے ہند میں خاص حیثیت رکھتی ہے کیونکہ اس مملکت کی بعض یادگاریں دُنیا کے عجائب میں شمار کی جاتی ہیں۔ ایلورا اور اجنٹا کے غار دو ہزار سال بیشتر کے ہیں اور اضلاع ورنگل، نلگنڈہ، کریم نگر و عثمان آباد کے قدیم مندر تین ہزار سال پیشتر کے تمدّن کا پتا دیتے ہیں عہد عثمانی میں ان آثار قدیمہ کی نگرانی و تحفّظ کے لیے ایک محکمۂ آثار قدیمہ قائم کیا گیا ہے جو نہایت سرگرمی اور مستعدی سے کام کر رہا ہے۔ آثار قدیمہ کے تحفظ نے محققین تاریخ کے لیے ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی ہے۔ قلعۂ دولت آباد کے نقش و نگار اور پانگل کے مآثر اسی محکمۂ آثار قدیمہ کی وجہ سے نمایاں ہیں۔ اسلامی سلطنتوں کی یادگاریں گولکنڈہ، بیدر اور اورنگ آباد میں پائی جاتی ہیں جو اپنے زمانے کی تاریخ یاد دلاتی ہیں۔ مآثر کی حفاظت اور مرمت کے علاوہ محکمے کی طرف سے وقتاً فوقتاً کتابیں اور کتبوں کے حالات اور فوٹو بھی بصورت رسالہ انگریزی میں شائع ہوا کرتے ہیں جس سے دکن کی قدیم تاریخ کی تفصیلات معلوم کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ ان مآثر کی حفاظت ہندوستان کے لیے خصوصاً اور تمام دُنیا کے لیے عموماً ایک قابلِ قدر اور بیش قیمت کام ہے۔

صنعت و حرفت

حکومت کی شاہانہ امداد و سرپرستی نے ملک کی حرفتی اور تجارتی رفتار میں نمایاں

ترقی کی ہے۔ مختلف حرفتی کارخانوں کے قیام اور ترقی کے لیے سرکارِ عالی سے فیاضانہ امداد دی جاتی ہے۔ ۱۳۳۹ف میں ملک کی حرفتی صلاحیت کی تحقیقات کے لیے مختلف کمیٹیاں مقرر کی گئی تھیں جن میں مملکت کے باہر کے ماہرینِ فن کی مدد لے کر وسعت و ترقی کی حدیں دریافت کی گئیں۔ دستکاری کی حرفتوں کو ترقی دینے کے لیے ایک وسیع اسکیم مرتب کر کے اس پر نہایت سرگرمی سے کام کیا جا رہا ہے اور ان کے فروخت کا انتظام بڑے پیمانے پر کیا گیا ہے۔ حکومت کی طرف سے کئی کارخانے قائم ہیں جن میں نجاری، حدادی، کلاہ کہنی، طباعت، قالین بافی، شطرنجی بافی، وغیرہ کے کام برقی قوت کی بدولت سے انجام پاتے ہیں۔ حیدرآباد میں حرفتی ترقی کا میدان بہت وسیع ہے اور عہدِ عثمانی میں اس کے تمام ذرائع سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ یہاں کی مشہور قدیم صنعتیں جو مردہ ہو چکی تھیں اُن کو سرکارِ عالی کی سرپرستی سے از سرِ نو زندہ کیا گیا ہے۔ سنگاریڈی کے ریشمی کپڑے، بیدر کا جستی کام، کریم نگر کا چاندی سونے کے تار کا کام اور زردوزی، لنگم پیٹ اور پمیری کے پیتلی برتن، دولت آباد اور ورنگل کا کاغذ، اورنگ آباد کا ہمرو، جامہ وار، الائچہ، سنگین، مشروع، دیورکنڈہ، ورنگل اور چریال کے رومال، ساڑیاں، چولیاں، دھوتیاں، ناندیڑ کے سیلے، وغیرہ، مشہور پرانی صنعتیں ہیں جو عہدِ عثمانی میں از سرِ نو زندہ کی جا رہی ہیں۔ بیدر کے محمود گاواں کے مدرسے کی رفیع الشان عمارت میں ایک حرفتی مدرسہ کھول دیا گیا ہے جہاں مشہورِ عالم بیدری صنعت کی چیزیں تیار کی جاتی ہیں۔ سرکاری کارخانوں کے علاوہ ملک میں رعایا کے سیکڑوں نجی کارخانوں کی امداد سرکارِ عالی کر رہی ہے۔ لیکن سب سے زیادہ دلچسپ وہ ترقیاں ہیں جو بغیر امدادِ سرکاری ہمارے ملک کے طول و عرض میں پھیلتی جا رہی ہیں۔ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے اپنی

رہنمایانہ حکمت عملی سے ملک کی رعایا پر کافی اثر ڈال دیا ہے۔ رعایا پر روز بروز یہ منکشف ہوتا جا رہا ہے کہ ہماری حقیقی ترقی اور فارغ البالی اپنے پیروں پر آپ کھڑے ہونے اور اپنے ذاتی سرمائے و محنت سے کام کرنے میں مضمر ہے۔ شمشیر جنگ کا مشہور لوہے کا کارخانہ، بٹنوں کے متعدد کارخانے، لکڑی کی آرایشی اور چھوٹی چھوٹی خانہ داری و نوشت و خواند کی چیزوں کے کارخانے، رنگ، وارنش، پالش کے کارخانے، تانبے چینی، کانچ اور سیمنٹ کے کارخانے، کشید ادویہ انگریزی و یونانی، عطر و تیل کے کارخانے، ڈھلائی اور پرچے کے کارخانے، سگریٹ، دیاسلائی، صابون، گڑ اور شکر کے کولہو، وغیرہ، غرض ہزارہا چھوٹی چھوٹی صنعتیں ہیں جو محض اعلیٰ حضرت بندگان عالی کی رہبری و رہنمائی میں رعایا کے ذاتی سرمائے اور محنت سے چل رہی ہیں اور یقین ہے کہ جس قدر محکمۂ صنعت و حرفت رعایا کی فلاح و بہبود کے ذرائع بہم پہنچا کر ترغیبی کارگزاری دکھائے گا اُسی قدر رعایا میں ترقی کرنے کا احساس پیدا ہو گا۔

ہز اگزالٹڈ ہائنس دی نظامس اسٹیٹ ریلوے

مملکت آصفیہ کے طویل سلسلۂ ریلوے جو چوڑی پٹری اور چھوٹی پٹری کی لائنوں پر مشتمل ہے پہلے نظامس گارنٹیڈ اسٹیٹ ریلوے کمپنی کے نام سے موسوم تھا اور اس کا انتظام ایک انگریزی کمپنی کے ہاتھ میں تھا۔ سرکار عالی اور ین۔ جی۔ ایس۔ ریلوے کمپنی کے درمیان جو معاہدہ تھا اُس کی رو سے ۱۹۳۳ء کے ختم تک کمپنی کو تمام علاقۂ ریلوے پر حق ملکیت و تصرف حاصل تھا لیکن اعلیٰ حضرت بندگان عالی کو بعض حوادث موقوعہ حدود ریلوے اور بعض معاشیاتی نقاط نظر کی بنا پر یہ مناسب معلوم ہو رہا تھا کہ کوئی تدبیر ایسی

نکالی جائے کہ معاہدے کی مدت کے اختتام سے پہلے کمپنی ریلوے کی ملکیت سے دست کش ہو اور سرکار عالی کو بھی مالی نقصان نہ پہنچے۔ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی ہدایت پر سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر نے بالغ نظری اور حکمت عملی سے ضروری دستاویزات بیع وشریٰ کی حسب ضابطہ تکمیل ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۳۰ء کو ریلوے بورڈ واقع لندن سے کرالی۔ اس جدید معاہدے کی بنا پر یکم اپریل سنہ ۱۹۳۰ء سے ریلوے سرکار عالی کی ملکیت میں آگئی۔

۱۰ ارادی بہشت سنہ ۱۳۳۹ف کو جو جریدۂ غیر معمولی شائع ہوا تھا اُس میں سر اکبر حیدری کا تفصیلی نوٹ بھی تھا جس سے اُن امور پر بھی روشنی پڑتی ہے جو جدید معاہدے کے وقت سرکار عالی کے پیش نظر تھے۔ اس خریدی میں سرکار عالی کا فائدہ اور رعایا کی فلاح وبہبود دونوں باتیں شامل تھیں، چنانچہ سر اکبر حیدری کے نوٹ سے وہ اقتباس درج ذیل کیا جاتا ہے جو ان دونوں باتوں کو واضح کرتا ہے:

"ایک منفعت بخش صنعتی کاروبار کو خرید لینے سے سرکار عالی کو یہ جو فائدہ ظاہر کیا گیا اُس کو دوسرے طریقے سے بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے یعنی یہ کہ اس وقت تحت ریلوے جو محاصل سرکار عالی کو وصول ہوتا ہے اُس کے مقابلے میں اُس میں تقریباً (۵۹۰،۰۰۰) پونڈ سالانہ کا اضافہ ہوگا، یعنی (۴،۵۹۰،۰۰۰) پونڈ کے صرفے پر جس کی خریدی ریلوے کے لیے ضرورت ہے تقریباً (۱۳) فی صد منافع سرکار عالی کو حاصل ہوگا۔ بالفاظ دیگر موجودہ محاصل ریلوے کے مقابلے میں تقریباً ایک کروڑ سکہ عثمانیہ کا سالانہ اضافہ ہوگا

اور جو رقم خریدی پر صرف کی گئی اُس پر (۶) فی صد سود سالانہ بھی لگایا جائے تو تقریباً (۱۰) اور (۱۱) سال میں رقم خریدی پوری بے باق ہو جائے گی۔"

....

"حدود سرکار عالی میں جو کمپنی کی ریلوے چلائی جارہی تھی اُس کی خریدی میں اگر سرکار عالی کو براہ راست اپنا مالی فائدہ ملحوظ رہا ہے تو اُسی کے ساتھ یہ اُمور بھی سرکار عالی کے بہم پیش نظر رہے ہیں کہ اِس سے سرکار عالی عام رعایا اور عامہ مسافرین و تجارت پیشہ اشخاص کے حقوق کے لحاظ کے ساتھ تمام ملازمین ریلوے کی بہبودی اور خوش حالی کی موثر طریق پر دیکھ بھال کرسکے گی۔ کمپنی کی وساطت سے سرکار عالی نے اِس امر کا موقع دیا ہے کہ جو ملازمین اس وقت ہیں وہ حسبہٖ رکھے جائیں گے اور پراویڈنٹ فنڈ، انعام، نیز اسی قبیل کی جو دیگر مراعات ہیں وہ حسب حال جاری رہیں گی۔"

چونکہ ریلوے کی خریداری کے تمام مراحل سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر کی کوششوں سے طے ہوئے تھے اِس لیے بدرجۂ غایت اظہار قدر و خوشنودی معزز باب حکومت سرکار عالی نے ۱۸ اردی بہشت ۱۳۳۹ف کو یہ قرارداد منظور کی تھی:

"باب حکومت کو نوٹ مرتبۂ صدر المہام بہادر فینانس سے اتفاق ہے جس میں صراحت سے اُس پالیسی کی توضیح کی گئی ہے جو خریدی ریلوے کے بارے میں سرکار عالی کے زیر نظر تھی۔ باب حکومت بارگاہِ خسروی میں بادب استدعا کرتا ہے کہ یہ نوٹ علم اطلاع کے لیے دونوں انگریزی

اور اُردو میں جریدۂ غیر معمولی میں شائع کیا جائے۔ باب حکومت کو اس کی بھی خواہش ہے کہ اِس موقع پر وہ اپنے اُس احساس پسندیدگی کو حیطۂ تحریر میں لائے جو صدر المہام بہادر فینانس کی اِس ممتاز خدمت کے بارے میں محسوس کرتے ہیں جو اُنھوں نے اپنے تدبّر سے ایک ایسے مہتم بالشان فینانشل معاملے کو کامیابی سے طے کرنے میں انجام دی، جس کا نتیجہ باب حکومت کی رائے میں یہ ہوگا کہ نہ صرف سرکار عالی کی فینانشل ساکھ پر عمدہ اثر مرتب کرے گا بلکہ اِس ریاست ابد مدت کی شان اور وقار میں معتد بہ اضافہ کرے گا۔"

مذکورۂ صدر اقتباس اِس مہتم بالشان کارنامے کی تفصیل پیش کرنے کے لیے کافی ہے جو من جملہ دیگر کارہائے نمایاں کے عہد عثمانی کی ایک دوامی یادگار رہے۔

ریلوے بس سرویس

۵ ار جون ۱۹۳۲ء سے دی نظامس اسٹیٹ ریلوے کی طرف سے موٹر بس سرویس کا آغاز ہوا اور اب جب کہ ۱۹۳۴ء بھی نصف سے زیادہ گزر چکا ہے، رعایا کی سہولت آمد و رفت اور ریلوے ڈپارٹمنٹ کی آمدنی میں اُمید سے زیادہ نفع ہو رہا ہے۔ شہر کے عرض و طول میں کاروباری رعایا کی چہل پہل اور سرگرمی روز بروز بڑھتی جا رہی ہے اور یہ کاروباری سیلاب اِس قدر بڑھا ہوا ہے کہ اب تک ریلوے موٹر سرویس، رعایا کی کسی موٹر سرویس کو تجارتی شکست نہیں دے سکتی اور نہ شہر کے قدیم جھٹکوں، تانگوں کے مغلوب ہونے کی نوبت آئی ہے، البتہ بظاہر ریلوے کی لوکل ٹرینس کو نقصان

کی زد میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ شہری رعایا کو جب اپنے مقامات آمد و رفت کے قریب موٹر بسیں مہیا ہو جاتی ہیں اور صرف پندرہ منٹ کے انتظار کے بعد یکے بعد دیگرے موٹر بسیں حرکت میں آتی رہتی ہیں تو اسٹیشنوں کا طولانی سفر طے کرنا اور دوسری لوکل ٹرین کے انتظار میں کم از کم گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ ضائع کرنا کسی طرح پسند نہیں آسکتا۔

موٹر بس کے کامیاب تجربے نے ریلوے ڈپارٹمنٹ کو اس نظریے تک پہنچا دیا ہے کہ رفتہ رفتہ موٹر سرویس کا جال پورے ممالک محروسہ میں پھیلا دیا جائے؛ چنانچہ اب تک متعدد سرویسیں ریلوے کی طرف سے اضلاع میں چل رہی ہیں۔ اگرچہ چھوٹی لائن اور بڑی لائن کی ریلوے کو اس نظریے سے کوئی نقصان نہ پہنچا تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ریلوے ڈپارٹمنٹ اپنی اس اقتصادی تجویز میں کامیاب رہے گی۔

بسیں سیلون کے نمونے پر تیار کی گئی ہیں جن میں آرام دہ نشستیں موجود ہیں اور اُن کا رخ سامنے کی جانب ہے۔ کرایہ کم رکھا گیا ہے۔ کسی حادثے کے موقعے پر مسافروں کے لیے ایک احتیاطی دروازہ بھی رکھا گیا ہے۔ غرض اِن محفوظ بسوں میں پبلک کے لیے سفر کرنے کی ہر طریقے پر سہولت بہم پہنچائی گئی ہے۔

آبپاشی

عہد عثمانی کی مادی ترقیات کے سلسلے میں سب سے زیادہ مستقل اور پائدار یہاں کے سر رشتۂ آبپاشی کا کارنامہ ہے۔ ملکی زراعت کی ترقی کے لیے بے دریغ روپیہ صرف کیا گیا۔ جہاں پانی جمع کرنے کے بہترین موقعے تھے

وہ سب منتخب کر لیے گئے اور کروڑوں روپے کے صرف سے قدیم شکستہ تالاب تعمیر کرائے گئے جو ملکی زراعت کے بہت بڑے رقبے کو سیراب کرتے ہیں اور چند جدید تالاب تعمیر کر دیے گئے جو اپنی ساخت اور طرز تعمیر میں فنِ انجنیری کے کمالات کا بہترین نمونہ ہیں، خصوصاً عثمان ساگر جس سے شہر حیدرآباد کی آب نوشی بھی متعلق ہے اور ایک وسیع ترین زراعتی اراضی بھی سیراب ہوتی ہے، نیز حمایت ساگر و نظام ساگر جو اپنے کام کی اہمیت کے اعتبار سے کسی قدر تفصیل چاہتے ہیں۔

سنہ ۱۹۰۸ء میں رود موسیٰ کی طغیانی نے حیدرآباد کی آبادی پر ایک مصیبت نازل کر دی تھی: شہر کا بڑا حصہ تباہ ہوا، ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں، کروڑہا روپے کی نقد دولت اور لاکھوں کی جایداد سکنی بہ گئی۔ اعلیٰ حضرت کی شاہانہ ہمدردی اور فیاضی سے علاوہ اُن تمام تدابیر حفاظتی کے جو ہر وقت رعایا کی جان کو بچانے اور سیلاب زدوں کے پس ماندوں کی دوا درمن، خورونوش، معاوضہ مکانات اور پوشاک میں کی گئیں، سب سے زیادہ عظیم الشان تجویز وہ تھی جس کی رو سے آیندہ موسیٰ ندی کی طغیانی کا سدباب ہو گیا۔ موسیٰ اور عیسیٰ دو برساتی ندیاں ہیں جو شہر حیدرآباد سے پانچ چھ کوس آگے باہم مل کر موسیٰ ندی کا نام اختیار کرتی اور وسط شہر میں سے بہتی ہوئی شہر حیدرآباد کی آبادی کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کرتی ہیں جن کو اندرون بلدہ اور بیرون بلدہ کہتے ہیں۔

عہد عثمانی میں موسیٰ ندی کا پانی عثمان ساگر میں اور عیسیٰ ندی کا پانی حمایت ساگر میں روک لیا گیا اور دونوں تالابوں پر زائد پانی خارج کرنے کا ایسا مستقل پختہ انتظام رکھا گیا ہے کہ اب آیندہ موسیٰ ندی کو عین غفلت میں بھی

ایسا شب خون مارنے کی جرأت نہ ہوگی جیسا کہ ۱۹۰۸ء میں واقعہ گزرا ہے
ایک بند کی تعمیر میں لاکھوں روپے کی لاگت آئی ہے، یہ دونوں فن انجنیری
کے بہترین نمونے ہیں۔

نظام ساگر دریائے ماجرا کے پانی کو روک کر تین کروڑ پانچ لاکھ روپے
کی لاگت سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس سے تین لاکھ بیس ہزار ایکڑ اراضی کی آبپاشی
نہروں کے ذریعے سے ہوسکتی ہے۔ نظام ساگر کا تالاب انجنیری کے فن کا نادر
نمونہ اور ہمارے عالی ہمت بادشاہ کا عظیم الشان کارنامہ ہے جو رہتی دنیا
تک یادگار رہے گا۔ تالابوں کے علاوہ متعدد نہریں اور بند بھی عہد عثمانی
میں تعمیر ہوئے ہیں جو عہد عثمانی کی برکات سے ہیں۔

تعمیرات، سڑکیں اور بندر رو

عہد عثمانی میں کئی عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوئیں: باغ عامّہ میں
نمائش گاہ، کتب خانہ اور ایک خوبصورت مسجد بنوائی گئی۔ رود موسیٰ کے
ایک کنارے عدالت عالیہ اور سٹی انٹرمیڈیٹ کالج کی شاندار عمارتیں ہیں
جن کی تعمیر میں تقریباً (۳۶) لاکھ روپے صرف ہوئے۔ موسیٰ کے دوسرے
کنارے ایک عالی شان عثمانیہ ہسپتال تعمیر کیا گیا ہے جس میں سیکڑوں مریضوں
کے قیام اور علاج کا انتظام ہے۔ جدید ترین طبّی اصول پر علاج کیا جاتا ہے۔
"لا" شعاعی آلات اور دوسرے بیش قیمت جدید جرّاحی آلات شفاخانے
میں مہیا ہیں اور اعلیٰ تعلیم یافتہ معالج مریضوں کے علاج کے لیے مقرر ہیں۔
اسی کنارے پر کتب خانہ آصفیہ کی عمارت بھی تعمیر ہوچکی ہے جس کے داخلے
کا دروازہ قدیم طرز تعمیر سے مشابہت رکھتا ہے۔ اندرون شہر چار مینار کے

قریب ایک خوبصورت یونانی صدر شفاخانہ تعمیر ہوا ہے ، اِسی عمارت میں یونانی طبیہ کالج بھی قائم ہے ، یہاں بھی صدہا مریض علاج کے لیے رجوع ہوتے ہیں اور روزانہ یونانی طریق علاج کے نئے نئے تجربات ہو رہے ہیں ۔ اسٹیشن نام پلی کے قریب ایک پُرشوکت مسافر خانہ "صلح سرائے" کے نام سے تعمیر ہوا ہے جس میں مسافروں کے رہنے کا معقول انتظام ہے چھوٹی پٹری کی ریل کے لیے ایک خوبصورت ، شاندار اسٹیشن بمقام کاچی گوڑہ تعمیر ہوا ہے اور غالباً نام پلی کا اسٹیشن وسیع ہونے والا ہے ۔ دیہات و اضلاع میں مدرسے ، شفاخانے ، مسافر خانے اور دفاتر سرکاری کی سیکڑوں عمارتیں اِسی عہد ہمایونی میں تعمیر ہوئیں اور برابر ہو رہی ہیں ۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ گورنمنٹ کی یہ ساری بیداریاں رعایائے حیدرآباد میں فن تعمیر کا ذوق پیدا کر رہی ہیں ، شہر حیدرآباد کا بیرونی حصہ عجب عجب نئے نئے وضع کی عمارتوں کی نمائش گاہ بنا ہوا ہے ۔ ذی مقدرت لوگ نئے نئے نمونے کے لیے انجنیروں اور گتہ داروں سے مشورے کرتے ہیں اور اِس طرح مشورۂ تعمیر ، گتہ داری ، اینٹ ، چونا ، سنگ تراشی کا پیشہ بحیثیت فن اور باعتبار تجارت بے حد نفع بخش ہو گیا ہے اور شہر کی غریب رعایا تعمیری مزدوریوں کی وجہ سے فارغ البال ہو گئی ہے ۔

پورے شہر میں نہایت پُرشوکت سڑکیں تعمیر ہوئی ہیں اور یہ کام اب تک برابر جاری ہیں ۔ بڑی بڑی شاہراہیں پتھر ، روڑی اور پسے ہوئے پتھر کے ریتے سے تعمیر ہوئی اور ہو رہی ہیں جن کو کہیں ڈانبر اور کہیں سیمنٹ کنکریٹ سے مضبوط کیا گیا ہے ۔ دو رویہ پیدل چلنے کی پٹریاں ہیں ۔ لیکن اِس کے علاوہ مملکت کے عرض و طول میں ہزارہا سڑکیں نئی تعمیر ہو گئی ہیں جن پر موٹر بسیں اور موٹریں دیہات و اضلاع میں مسافروں اور سامان کا حمل و نقل کر رہی ہیں ۔

شہر میں بدررو کی بہت بڑی اسکیم منظور ہوئی ہے جس میں سیمنٹ کے تحت الارضی بڑے بڑے نل نصب کیے گئے ہیں۔ یہ کام بہت کچھ ہو چکا ہے، لیکن اس کی تکمیل کے بعد اُمید کی جاتی ہے کہ اس شہر کی عام صحت و صفائی پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ تمام رعایائے شہر اپنے مکانات میں مقامات ضرورت اور حمام، باورچی خانے، موری خانے، وغیرہ، کو محکمہ حفظان صحت کی ہدایت کے مطابق بنانے کی پابند کی جائے گی اور ہر مکان سے قریب ترین بدررو کا سہل تعلق قائم کیا جائے گا کہ تمام فضلۂ شہر کے باہر ایک بڑے مخزن میں خود بخود پہنچ جائے گا جہاں اس کی کھاد تیار کرائی جائے گی اور مزارعین اور باغبانوں کے کام آئے گی۔ ایک دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ شہر حیدرآباد ہندوستان بھر میں سب سے پہلا شہر ہے جہاں کی سیمنٹ کنکریٹ کی سڑکیں طولانی مسافت میں پندرہ میل سے زیادہ ہیں اور جہاں کی بدررو کا انتظام صحیح اصول پر قائم ہونے والا ہے۔

آرائش بلدہ

دُنیا کے ہر کام کا تخم انسان کا خیال ہوتا ہے جو ذہن سے نکلتا اور ذہن ہی میں برگ و بار لانے کے لیے بو دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ضرورت اور خواہش انسانی، ارادے کی صورت میں تبدیل ہو کر اسی تخم خیال کو نشو و نما دیتی اور قوت سے فعل میں لاتی ہے۔

آرائش بلدہ کا سب سے پہلا خیال شہر حیدرآباد کے بڑے حصے کے دریا برد ہونے کے بعد پیدا ہوا۔ موسیٰ ندی کے اطراف کئی سال تک ویرانہ

برستا رہا۔ اِن عبرت انگیز کھنڈروں میں ایسے خاموش ماتم اور ناگفتہ افسانے گونج رہے تھے جن سے ہر آیند و روند کانپ اُٹھتا تھا اور یہ ہیبت ناک نظارہ سارے شہر کی رونق و دلبستگی کو دھندلا کر دیتا تھا۔ چونکہ ہمارے اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی از حد حساس اور نازک طبع واقع ہوئے ہیں اس لیے آپ نے مسند حکمرانی پر متمکن ہوتے ہی سب سے پہلے اس بد رونقی کو دور کرنے کی طرف توجہ فرمائی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موسیٰ ندی کے کنارے یہاں سے وہاں تک پُر فضا باغات، خوشنما کیاریاں، اور نفیس مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ اِسی زمانے میں جب کہ رود موسیٰ کے اطرافی کناروں کی درستی ہو رہی تھی محکمۂ آرایش بلدہ کا قیام عمل میں آیا تا کہ پورے شہر حیدرآباد کی خوبصورتی اور حفظانِ صحت کا ایک خاص محکمہ ذمہ دار رہے اور حُسنِ عمل میں کوئی دو عملی حائل نہ ہونے پائے۔ یہ محکمہ شہر میں نئی نئی کشادہ سڑکیں بنا چکا اور بنا رہا ہے، خوبصورت عالی شان بازار اور مارکیٹیں تیار کر رہا ہے، جن کی شاندار دکانیں یکساں ایک قرینے سے چلی گئی ہیں اور اعلیٰ ایوان اور بڑی بڑی کوٹھیاں تعمیر کرا رہا ہے۔ یہی محکمہ غریبوں کے واسطے سستے کرائے کے مکانات تعمیر کر چکا اور کر رہا ہے، جن کی تعمیر میں حفظانِ صحت کے لحاظ سے پختہ بندش اور روشنی اور ہوا کا کافی انتظام کیا گیا ہے اور پانی کے نل، وغیرہ، لگا کر رہنے والوں کو آسایش بہم پہنچانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ یہ مکانات ایک خاص وضع کے ہیں جو سڑکوں کے کنارے خوشنما طریقے پر تیار کیے جا رہے ہیں۔ ہر جدید عمارت موجودہ فنِ تعمیر کی نظر سے اعلیٰ سے اعلیٰ قسم کی تعمیر کی گئی ہے۔

یہ ملک کی خوش بختی ہے کہ شہریور ۱۳۲۰ف میں اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی

نے حضرت والاشان کرنل نواب معظم جاہ بہادر کو مجلس آرایش بلدہ کا صدر نشین (پریسیڈنٹ آف دی سٹی امپروومنٹ بورڈ) مقرر فرمایا۔ اور صاحبزادہ ممدوح الشان پوری توجہ سے اصلاحیں فرما رہے ہیں جس کے سبب سے آرایش کا کام پہلے سے بہت زیادہ سرگرمی سے ہو رہا ہے۔

طبابت

حیدرآباد میں معالجہ و حفظان صحت پر عہد ہمایونی میں جس قدر توجہ کی گئی ہے اُس کی نظیر کسی گزشتہ دور میں نہیں ملتی۔ علاوہ اُن تمام شفاخانوں کے جو پہلے سے تعلقات اور اضلاع میں پھیلے ہوئے تھے ضروری مقامات پر نئے دواخانے کھولے گئے۔ خصوصاً طاعون، ملیریا، ہیضہ کے لیے دورہ کنان میڈیکل افسر اور اُن کا عملہ مقرر کیا گیا تاکہ وہ تمام ممالک محروسہ کا دورہ کر کے رعایا کی طبی امداد کریں اور بطور حفظ ماتقدم اُن کو امراض مذکورہ سے بچنے کی تدابیر بتائیں اور میجک لینٹرن کے ذریعے سے جراثیم کے عجیب مشاہدات رعایا تک پہنچائیں۔ خاص کر طاعون اور دیگر امراض متعدی کے لیے ایک شفاخانہ آیسولیشن ہاسپٹل (شفاخانۂ امراض متعدی) کے نام سے قائم کیا گیا ہے جہاں طاعون، دق سل، ہیضہ، چیچک، نارو، اور فیل پا، وغیرہ، کا علاج ہوتا ہے۔

چونکہ ۱۷، ۱۸ برس سے حیدرآباد کی مملکت میں سالانہ طاعون نمودار ہو جاتا ہے اس لیے طاعون کا بہت وسیع عملہ طبی اور حفظان صحت کا مقرر کیا گیا ہے۔ مریضوں کو شفاخانوں میں منتقل کرنے کے لیے ایمبولنس کاریں متعین کی گئی ہیں۔ متاثرہ مقامات کو ڈس انفکٹ کرنے کا عملہ جداگانہ مقرر

کیا گیا ہے، اور عارضی کیمپس جنگلوں میں بنوانے کے لیے لاکھوں روپے کی ٹین اور جھونپڑیوں کی سالانہ رقم موازنے میں منظور کی جاتی ہے۔

وبائی امراض کے زمانوں میں اکثر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ سررشتۂ بلدیہ کے میر محلہ حضرات کے ذریعے سے عام رعایا کو روزانہ دودھ، کھیر، چاول، کھادی، کمبل، دھوتی، ساڑی، وغیرہ، بمقدار کثیر تقسیم کی جاتی ہے؛ چنانچہ تخمیناً ۱۵ سال پہلے عظیم الشان جنگ جرمنی کے ختم ہوتے ہی جو عالمگیر انفلوئنزا یورپ سے ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا تھا اُس میں ہمارے اعلیٰحضرات بندگان عالی نے لاکھوں روپے رعایا کی جان بچانے اور محفوظین کو آرام پہنچانے میں خرچ کر دیے تھے۔

زمانۂ وبا و طاعون میں اموات کی برداشت اور دفن کا انتظام نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ میڈیکل افسروں اور پولیس کو دیا گیا ہے اور اس کے مصارف منظور کیے گئے ہیں۔ اور شہر سے چوہوں کی تعداد کم کرنے کے لیے ایک مستقل عملے کے ذریعے سے خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

چیچک اور طاعون کے ٹیکے کا وسیع عملہ مقرر کیا گیا ہے اور زمانۂ طاعون میں ہر سند یافتہ ڈاکٹر کو طاعونی لمف کے ٹیوب مفت دیے جاتے ہیں اور ٹیکہ اندازی کے صلے میں فی صد الونس سرکار سے دیا جاتا ہے۔

ایلوپیتھک طریقۂ علاج کے علاوہ جو عام طور پر شفاخانوں میں جاری ہے، یونانی شفاخانے بھی قائم ہیں۔ اور اعلیٰحضرت بندگانِ عالی نے طبِ یونانی کے زندہ کرنے اور اُس کی غیر منتظم حالت کو از سرِ نو سنبھالنے میں لاکھوں روپے کا خرچ برداشت فرمایا ہے۔ سارے ملک کے عرض و طول میں یونانی شفاخانے قائم ہیں۔ ناظرِ ادویات اور مہتمم دواخانجات یونانی کا تقرر فرمایا

گیا ہے جو تمام ریاست کے یونانی طریق علاج کے کام کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور ایک یونانی طبیہ کالج بھی وسط شہر میں قائم فرمایا گیا ہے۔ اس وقت تمام دنیا میں یونانی طب کا رواج صرف ہندوستان میں رہ گیا ہے۔ اس فن کی قدیم عظمت کو برقرار رکھنے میں حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم کے ہندوستانی دواخانہ دہلی اور طبی کانفرنس نے بہت بڑا کام کیا۔ لیکن حکیم صاحب کے انتقال کے بعد شمالی ہند میں پھر سرد مہری شروع ہو گئی۔ اعلیٰ حضرت کی ذات ہمایونی نے اس دُرِ یتیم کو اپنے سایۂ عاطفت میں لیا اور طبیہ کالج کی بنیاد نے وہ دن قریب کر دیا ہے کہ وسیع پیمانے پر طبی کانفرنس اور یونانی طب کے معمل تجربات کی داغ بیل حیدرآباد میں پڑے اور سارا ہندوستان اس سے فیضیاب ہو۔

علاوہ یونانی طریق علاج کے، ساری مملکت میں قدیم ہندی طریق بھی رائج ہے جس کو عام اصطلاح میں قدیم مصری طب کہتے ہیں۔ یہ علاج زیادہ تر سمیات اور کشتوں اور جنگل کی جڑی بوٹیوں سے ہوتا ہے، ہمارے مملکت میں ہزارہا مصری حکیم ہیں جن کو سرکار سے امداد مل رہی ہے اور وہ رعایا کے علاج معالجے میں مصروف ہیں۔ خاص شہر حیدرآباد میں بھی کئی مصری حکیموں کے مطب بڑی کامیابی سے چل رہے ہیں اور سرکار بیش قرار امدادیں دے رہی ہے۔ بعض نجی شفاخانے ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کے بھی ہیں اُن کو بھی سرکار سے امداد مل رہی ہے۔ ایسی کوئی گورنمنٹ نہیں ہے جو رعایا کی صحت و عافیت کے لیے اپنے ذاتی اصول علاج کے علاوہ اُن تمام طریق علاج کی سرپرستی و دستگیری کرے جن سے اُس کی رعایا عقیدت رکھتی ہو۔ یہ بات دعوے کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ اعلیٰ حضرت بندگان عالی نے اپنی رعایا کے آرام و آسایش کے کسی

پہلو کو نظر انداز نہیں فرمایا ہے اور ایسی بے دریغ امدادوں اور کثیر مصارف کی نظیر برٹش انڈیا میں ہرگز نہیں مل سکے گی۔

خاص شہر حیدرآباد میں عثمانیہ جنرل ہسپتال اور عثمانیہ یونانی صدر شفاخانہ، ہندوستان کے بڑے شفاخانوں میں شمار ہوتے ہیں۔ جنرل ہسپتال میں جراحی اور برقی دونوں ذرائع سے علاج ہوتا ہے اور لاکھوں روپے کے آلات معالجے کے مختلف شعبوں میں مہیا کیے گئے ہیں۔ اور عورتوں کے امراض مخصوصہ کے لیے ایک زچگی خانہ قائم ہے جہاں فرقہ اناث کا ہر قسم کا علاج کامیابی کے ساتھ ہوتا ہے۔

کوتوالی بلدہ و اضلاع و محابس

سلطنت آصفیہ میں پولیس کے دو محکمے ہیں: ایک پولیس بلدہ، دوسرے پولیس اضلاع۔ دارالسلطنت کوتوالی بلدہ سے متعلق ہے۔ شہر حیدرآباد اپنی وسعت اور آبادی کے لحاظ سے اور اس لحاظ سے بھی کہ ہندوستان کے ہر حصے سے مختلف درجہ و حیثیت کے لوگ مختلف اغراض کے ساتھ یہاں آتے رہتے ہیں، اور اس حیثیت سے کہ تجارت و ملازمت کے سلسلے میں ہزاروں آدمی برطانوی ہند اور غیر ممالک کے یہاں مقیم ہیں، اور اس حیثیت سے بھی کہ شمالی اور جنوبی تہذیب کا یہ سنگم ہے ہندوستان کے دوسرے شہروں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اسی لیے کوتوالی بلدہ کا کام بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ اس کے باوجود نظم و ضابطہ، حسن و انتظام اور مستعدی اور صلاحیت کے اعتبار سے یہاں کی پولیس بڑے بڑے شہروں کی کوتوالی سے

کسی حال کمتر نہیں ہے۔ رعایا کی جان و مال کی حفاظت، جرائم کا انسداد، ملزموں کی نگرانی اور قیامِ امن بہت کامیابی کے ساتھ ہوتا ہے۔

اضلاع پولیس کا انتظام بھی اعلیٰ معیار پر ہے۔ اس محکمے نے نظم و ضابطہ میں خوب ترقی کی۔ محکمے کی مستعدی اور فرض شناسی کا پتا اس سے چلتا ہے کہ باوجود اس کے کہ برطانوی ہند میں فرقہ وار فسادات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں مگر ایسے ناگوار حادثات مملکت حیدرآباد میں شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں جس میں بڑا حصّہ رعایا کا باہمی اتحاد اور امن پسندی کا بھی ہے۔ اسی طرح برطانوی ہند کے مقابلے میں سنگین وارداتیں بھی حیدرآباد میں بہت کم وقوع میں آتی ہیں۔ عام طور پر پولیس کے تعلقات پبلک سے ہمدردانہ اور دوستانہ ہیں اور پبلک اخلاقی نقطۂ نظر سے پولیس کی ہر نازک وقت پر مدد کرتی ہے۔ اس وجہ سے باشندوں کو ملکی حکومت کے بہترین مفاد کو حاصل کرنے کا، یعنی امن اور باہمی حقوق کے تحفظ کی بنا، پر شاہراہ ترقی پر اطمینان خاطر کے ساتھ قدم بڑھائے چلے جانے کا موقع ہے۔

عہدِ عثمانی میں پولیس اضلاع و بلدہ کے اعلیٰ ترین معیار پر منظم ہونے کی وجہ سے رعایا اطمینان کی زندگی بسر کرتی ہے اور دوسری طرف جرائم پیشہ اقوام دیانت داری کا رزق حاصل کرنے پر مائل ہوتے جاتے ہیں۔ یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ محابس کا حُسنِ انتظام قابلِ نمونہ ہے۔ محابس میں قیدیوں کی اخلاقی نگرانی کا معقول انتظام ہے اور حیدرآباد میں محابس، حقیقی معنوں میں "تادیب خانے" ہیں۔ سزا کی معیاد ختم کرنے کے بعد قیدیوں کی اخلاقی حالت میں نمایاں اصلاح پائی جاتی ہے۔

عدالتی اصلاح و ترقی

مملکت آصفیہ اپنی بے تعصبی ، رواداری اور بے لاگ انصاف کی وجہ سے ہمیشہ مشہور رہی ہے ۔ انصاف کے معاملے میں رنگ و قوم و مذہب کا سوال یہاں کبھی پیدا نہیں ہوا ۔ عدل و انصاف قیام بقائے مملکت کی حقیقی بنیاد ہے ۔ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی عدل پرور و عدل گستر بادشاہ ہیں ۔ حضور ممدوح نے عدالت میں وہ عظیم الشان اصلاح فرمائی جو بہت سے متمدن و مہذب ممالک اب تک عمل میں نہ لا سکے ، وہ مہتم بالشان اصلاح یہ ہے کہ عدالتی اختیارات کو عاملانہ اختیارات سے علیحدہ فرما دیا ۔

سنہ ۱۳۳۰ ف تک مملکت آصفیہ میں بھی جیسا عموماً دوسرے ممالک میں ہے دیوانی و فوجداری اختیارات عہدہ دارانِ عدالت کے علاوہ عہدہ دارانِ مال بھی استعمال کیا کرتے تھے ۔ بادی النظر طور پر مظنہ ہوتا ہے کہ جہاں ایک ہی نوعیت کے مقدمات کا فیصلہ متعدد عہدہ دار کریں وہاں انصاف رسانی میں بڑی سہولت ہوتی ہوگی اور انفصال مقدمات بہت جلد ہوتا ہوگا مگر فی الحقیقت واقعہ ایسا نہ تھا ، عہدہ دارانِ مال کو فوجداری اختیارات حاصل تھے اور خفیف دیوانی مقدمات بھی سماعت کرتے تھے ۔ اس کی وجہ سے کئی قباحتیں پیدا ہو گئی تھیں : (۱) عہدہ دار مالی مقدمات میں رعایا پر فوجداری اختیارات کا ناجائز دباؤ ڈالنے لگے تھے ؛ (۲) عہدہ داروں کو مالی کام سے فرصت کم ملتی تھی ؛ اس لیے مقدمات مدتوں پڑے رہتے تھے اور عدالت نگرانی فیصلہ مقدمات کا کوئی انتظام نہیں کر سکتی تھی ۔ مالی عہدہ داروں کے

مقاماتِ دورہ پر فریقین مقدمہ وکلاء اور گواہوں کو لے کر مارے مارے پھرتے تھے جس کی وجہ سے مقدمے کے فیصل ہونے تک مدعی و مدعیٰ علیہ دونوں مفلس ہو جاتے تھے۔ اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ گواہ گواہی دینے سے توبہ کرتے تھے مستغیث و مدعی اس کشاکش سے نجات حاصل کرنے کے لیے انصاف سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ ان نقائص کے دور کرنے کے لیے سلطان العلوم نے ۲۹ شعبان ۱۳۳۹ھ ہجری کو ایک فرمان صادر فرمایا جس کی رو سے عدالتی و مالی مقدمات کی شنوائی کے لیے محکمے بالکل علحدہ ہو گئے۔ عہد عثمانی کا یہ ایسا مستقل کارنامہ ہے کہ مملکت کے گزشتہ دور میں اس کی نظیر نہیں ملتی، خصوصاً جب ہم دیکھتے ہیں کہ حضور اقدس و اعلیٰ نے ہائی کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کی تنظیم جدید کی غرض سے جو منشور خسروی نافذ فرمایا ہے اُس کی رو سے اختیارات شاہی ججوں کے سپرد ہو چکے ہیں۔ حقیقت میں اعلیٰ حضرت نے اپنے شاہانہ اقتدار کا بہت بڑا ایثار کیا ہے جس کی وجہ سے فریقین مقدمہ یا نگرانی خواہ کو اپنے احقاق حق یا کیفر کردار کو پہنچنے میں ضرورت سے زیادہ دیر نہیں لگتی۔ اس فرمان سے عدالتِ عالیہ کے اقتدار و وقار میں عظیم الشان اضافہ ہو گیا۔ حضرت بندگانِ عالی کے عہد معدلت میں قانون عدالت ہائے خفیفہ بھی نافذ ہوا جس کی رو سے متعدد نظماء اور منصفین کو اختیارات خفیفہ دیوانی دیے گئے اور اس سے زر نقد کے معمولی مقدمات بعجلت تصفیہ پانے لگے جس سے رعایا اور اہل مقدمات کو بڑی سہولتیں حاصل ہو گئیں۔ عدالت میں خاص لیاقت اور علمی قابلیت کے عہدہ داروں کا تقرر ہونے سے انصاف رسانی اور داد رسی کا معیار بھی بہت بلند ہو گیا۔

ٹپہ اور سکہ

قدیم الایام سے ٹپہ (ڈاک) اور سکہ مطلق العنان بادشاہی کے لوازم میں شمار ہوتا آیا ہے۔ سلاطین مغلیہ کے زمانے میں فوج اور نظم و نسق کے اغراض سے شاہی ڈاک ہر صوبے سے جاتی آتی رہتی تھی، اس شاہی ڈاک میں مستطیع رعایا اور بیوپاری لوگوں کے خطوط بھی پہنچ جاتے تھے لیکن اس کی اُجرت گراں ہوتی تھی اور دقّت یہ تھی کہ بہنگی، پارسل، وغیرہ، اکثر بدنیتی کے بھینٹ چڑھ جاتے تھے۔ ہندوستان کے ٹپہ رساں در اصل بنجاروں کے ٹانڈے اور "کروڑیوں" کے قافلے ہوتے تھے۔ کروڑی قدیم پیشہ تھا، جری لوگ چند ساہوکاروں پر اپنی ساکھ قائم کر کے لوگوں کا مال، ہنڈیاں، تمسکات، دستاویزات قیمتی اور نقد رقوم اور زیورات ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتے اور اُجرت لیتے تھے۔ ان لوگوں کے پاس فوج بھی ہوتی تھی یہی من چلے ہندوستان کے پُرخار جنگلوں میں سے سفر کرتے اور ایک جگہ کا مال دوسری جگہ پہنچاتے تھے اور یہی دونوں قافلے رعایا کی نجی ٹپہ رسانی اور مال و اسباب کی منتقلی کا پیشہ کرتے تھے۔

سب سے پہلے گورنمنٹ برطانیہ نے اسٹامپ ایجاد کر کے ٹپہ رسانی کا سہل اور جدید طریق ایجاد کیا جس کو ہمارے اعلیٰ حضرت کی حکومت نے بڑی تن دہی، خوش اسلوبی اور دیانت سے انجام دیا۔

اسی طرح سکہ بھی سلاطین مغلیہ کے ہر صوبے میں جدا تھا، صوبہ داروں کو اختیار تھا کہ اپنی ٹکسال میں سکہ ڈھلوائیں اور اپنے قلمرو میں رواج دیں۔ حد پابندی صرف یہ تھی کہ سکے کے ایک رخ پر شہنشاہ وقت کا نام ضرور ہو۔ جب ہندوستان پر گورنمنٹ کا قبضہ ہوا تو گورنمنٹ نے صرف ایک

ٹکسال قائم کر کے تمام صوبہ جات و روساء ہند کو اپنا اپنا سکہ مضروب کرنے کی ممانعت کر دی لیکن چند دیسی روساء ایسے بھی تھے جو بروے معاہدہ سکہ مضروب کر کے اپنے ملک میں رواج دینے کے مجاز گردانے گئے تھے ۔

حیدر آباد کی ریاست تمام ہندوستان کی دیسی ریاستوں میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ موقر ہے اور ایک امتیازی خصوصیت اس کی یہ بھی ہے کہ اس کو اپنا سکہ اور ٹپہ جاری کرنے کا اختیار گورنمنٹ برطانیہ عظمی کے ساتھ مساوی دوستانہ تعلقات رکھنے کی بناء پر حاصل ہو۔ جب گول میز کانفرنس میں سر اکبر حیدری نے وفد حیدر آباد کے صدر کی حیثیت سے شرکت کی تھی اور وہاں کی ہر کارروائی میں اعلیٰ حضرت اقدس و اعلیٰ کی زیر رہنمائی حصہ لیا تھا اُس وقت بطور خاص اِس امر کو واضح کر دیا تھا کہ وفاقیہ کی صورت میں بھی مملکت حیدر آباد اپنی فرمانروائی کی علامتیں بدستور قائم رکھے گی ، مثلاً ٹپہ (ڈاک) ، سکہ ، وغیرہ ۔

ٹپہ کا انتظام اُسی نہج پر ہے جو ہندوستان کے برطانوی حدود میں ہو۔ ٹپہ (ڈاک) خانوں کا سلسلہ سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے اور قریب قریب ہر بڑے قصبے میں ایک یا ایک سی زیادہ ڈاک خانے (ٹپہ خانے) قائم ہیں جو خطوط ، پارسل ، رجسٹری ، بیمہ ، منی آرڈر ، وغیرہ ، کا کام کرتے ہیں ۔ مملکت سرکار عالی کے اندر کسی ایک جگہ سے دوسری جگہ خط بھیجنا ہو تو وہ سرکار عالی کی ڈاک کے ٹکٹ پر بھیجا ہوگا ۔ لیکن جس خط یا پارسل ، وغیرہ ، پر انگریزی ٹکٹ ہو وہ انگریزی ڈاک خانے میں چھوڑنا ہوگا ۔ عہد ہمایونی میں پبلک کی سہولت و آرام کے لیے کثرت سے جدید ڈاک خانے قائم کیے گئے ہیں ، نیز ڈاک خانو میں سیونگ بنک کا کام ہوتا ہے جس کی وجہ سے رعایا کے اندوختہ

سرمائے میں روز روز اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس طرح وہ رقمیں، جن کو رعایا پس انداز کر رہی ہے ملک ہی میں رہتی ہیں اور ملک ہی کے کام میں آتی ہیں۔

حیدرآباد میں تقریباً پون صدی قبل ۱۲۹۵ف میں دارالضرب کا باضابطہ قیام عمل میں آیا تھا۔ اس سے پیشتر سکہ امرا اور تاجروں سے چاندی لے کر اجرت پر مضروب کیا جاتا تھا۔ دارالضرب کے قیام کے بعد جب سکوں کی مانگ زیادہ ہو گئی اور دستی اوزاروں سے کام چلنا دشوار ہو گیا تو ۱۳۰۲ف میں مشین نصب کی گئی اور نئے طرز کا سکہ بنا جس کا نام "چرخی" تھا۔ اس کے دونوں رخ کی عبارت نستعلیق خط میں تھی اور یہ سکے عام طور پر پسند بھی نہیں کیے گئے۔ اس لیے ۱۳۱۳ف میں ایک جدید نمونہ تیار کیا گیا۔ اس کے ایک رخ پر حیدرآباد کی مشہور تاریخی عمارت چار مینار اور دوسرے رخ پر نسخ خط میں یہ عبارت تھی: "ضرب حیدرآباد فرخندہ بنیاد جلوس میمنت مانوس"۔ چونکہ اس وقت اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خاں بہادر فرمانروا تھے اس لیے اس سکے میں چار مینار کی کمانی کے اندر حرف "م" کندہ کیا گیا تھا۔ اعلیٰ حضرت اقدس و اعلیٰ کی تخت نشینی پر "م" کے بجائے "ع" کر دیا گیا جو آپ کے نام مبارک کا سرِ حرف ہے۔ روپیہ کے نمونے کی تبدیلی کے ساتھ اشرفی کے نمونے میں بھی تبدیلی کی گئی۔ اشرفی کے دونوں رخ پر بھی عمارت اور عبارت کا وہی نمونہ ہے جو روپیہ کا ہے، البتہ حروف کی نشست و صورت میں امتیاز پیدا کیا گیا ہے۔

عہد عثمانی میں چار قسم کے سکے رائج کیے گئے ہیں: طلائی سکے، نقرئی سکے، نکل کے سکے اور مسی سکے۔ طلائی سکے اشرفی اور نیم اشرفی، ربع اشرفی اور سدس اشرفی ہیں۔ اس کے بعد نقرئی روپیہ، اٹھنی، چونی، دوانی اور نکل کی اکنی اور مسی ادھنا (نیم آنہ) (تین پیسے کا بڑا پیسہ)، ایک پیسا، دھیلی (نصف پیسا)

ہیں۔ یہ زیادہ دیدہ زیب اور کارآمد ہیں۔ اِن سکّوں کے علاوہ سرکارِ عالی کی طرف سے سکۂ قرطاس (کرنسی نوٹس) بھی طبع ہوتے ہیں جو یورپ کے بڑے بڑے ممالک کے نوٹوں سے زیادہ خوشنما ہیں۔ اِن میں ایک ہزار، سو، دس، پانچ روپے کے نوٹس امتیازی وضع اور رنگ کے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے استعمال میں غلط فہمی کا امکان کم ہوتا ہے۔

عہدِ میمنت مہد عثمانی میں جدید ٹکٹ اور نوٹس جاری ہونے والے ہیں جو پہلے ٹکٹ اور نوٹس سے اور زیادہ خوشنما اور پائدار ہوں گے کیونکہ تجارتی کاروبار، وغیرہ، کی توسیع کی وجہ سے اِن کی مانگ بہت بڑھ گئی ہے۔

تمام ٹکٹ ٹپہ، کاغذ مہور (اسٹامپ عدالت) کورٹ فیس، وغیرہ، اور سکہ جات نقرئی و طلائی اور کرنسی نوٹس محکمۂ دارالضرب سرکارِ عالی میں طبع اور مضروب ہوتے ہیں جہاں کا عظیم الشان کارخانہ اور غیر معمولی کاروبار دیکھنے والے کو محوِ حیرت کر دیتا ہے۔

اِسترداد رقبۂ رزیڈنسی

قبل اس کے کہ استرداد رقبۂ رزیڈنسی کا ذکر کیا جائے، مناسب ہوگا کہ مختصر طور پر رزیڈنسی کی تاریخ بیان کر دی جائے۔

جب انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی اور فرانسیسی کمپنیوں میں کشاکش شروع ہوئی تو دونوں قوموں نے ایک دوسرے کا اثر زائل کرنے میں جان توڑ کوشش کی۔ باہمی رقابت میں سرکارِ نظام دکن کی اعانت و خوشنودی حاصل کرنے لیے جو لوگ سرکارِ نظام کے دربار میں باریابی حاصل کر کے اپنی حکومت کی وکالت کرتے تھے وہ "وکیل" کہلاتے تھے۔ یہی موجودہ رزیڈنٹ کے

پیشرو تھے۔ برطانوی حکومت اور سلطنت آصفیہ میں براہ راست تعلق صحیح معنی میں ۱۷۶۶ء میں قائم ہوا۔ عہد نامے کی رو سے برطانیہ نے بوقت ضرورت سرکار نظام کو فوجی امداد دینے کا معاہدہ کیا اور اس امداد کے معاوضے میں حضور نظام نے شمالی سرکار کا علاقہ برطانیہ کو تفویض کیا۔ جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے پہلے رزیڈنٹ کی حیثیت ایک سفیر کی تھی؛ چنانچہ مسٹر ہالینڈ جو سب سے پہلے ۱۷۷۹ء میں اس خدمت پر مامور ہوئے وہ وکیل ہی کہلاتے تھے۔ ان کے بعد ان کے چند جانشینوں کا بھی یہی لقب تھا۔ ان وکیلوں کا کام یہ تھا کہ سرکار نظام کی خوشنودی حاصل کریں اور دونوں حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم رکھیں۔ سرکار نظام کی جانب سے ان انگریز وکیلوں کو خطابات اور مناصب بھی عطا ہوتے تھے۔ سب سے پہلا خطاب اس سلسلے میں تیسرے انگریز وکیل، کپتان جان کیناوے کو "دلاور جنگ بہادر" کا ملا۔ ان کے بعد کپتان اکیلیز کرک پیٹرک کو، جو ۱۷۹۰ء سے ۱۸۰۵ء تک مملکت حیدرآباد میں انگریزی وکیل رہے، نواب سکندر جاہ بہادر نے "حشمت جنگ بہادر" کا خطاب عطا فرمایا۔ اس کے بعد نواب ناصر الدولہ بہادر کے عہد سے انہی وکلاء کو بجائے وکیل کے رزیڈنٹ کہا جانے لگا۔

ابتداءً وکیلوں کے قیام کے لیے شہر میں کوئی خاص انتظام نہیں تھا وہ وزراء وقت کے پاس ٹھہرا کرتے تھے۔ مگر کپتان کرک پیٹرک چھٹے وکیل نے نواب نظام علی خاں بہادر سے اپنے قیام کے لیے ایک مستقل مکان کی اجازت حاصل کی؛ چنانچہ موجودہ کوٹھی "بڑے صاحب" کے لیے مختص کر دی گئی؛ یہی کوٹھی وکلا کے بعد رزیڈنٹوں کی قیام گاہ ہے۔ ۱۸۵۷ء تک کوٹھی کو حصار نہیں

تھا۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامۂ عظیم میں حفاظت وحیانت کی غرض سے حصار کی تعمیر کی گئی۔ ابتداء میں رزیڈنٹ اس کوٹھی میں مستقل سکونت نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ بلارم میں، جو شہر سے دس میل پر واقع ہے، رہتے تھے۔ جب سرکار نظام سے ملنے کے لیے رزیڈنٹ حیدرآباد آتے تو اس کوٹھی میں ٹھہر جاتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ یہ کوٹھی رزیڈنٹ کا مسکن بن گئی اور قرب وجوار کا رقبہ بھی اراضی "رزیڈنسی" کہلانے لگا۔

یہ رقبۂ آبادی جو متعدد محلّوں اور بازاروں پر مشتمل ہے رزیڈنسی کے نام سے موسوم تھا، تقریباً ایک صدی تک برضامندی سرکارِ عالی، صاحب عالی شان بہادر (رزیڈنٹ) کے زیر انتظام رہا۔ مگر ۲۴ مئی ۱۹۳۳ء مطابق ۹ تیر ۱۳۴۲ ف مطابق ۱۸ محرم الحرام ۱۳۵۲ہجری یکشنبہ کو دن کے بارہ بجے اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی حکومت کے قبضے میں دے دیا گیا ہے اور سوائے رزیڈنسی کی خاص خاص عمارات کے اور کوئی قطعہ زمین صاحب رزیڈنٹ کی زیرِ حکمرانی نہیں ہے۔ ۲۴ مئی کو سر میین السلطنت مہاراجہ صدرِ اعظم بہادر بالقابہم اور سرکارِ عالی کے مختلف سررشتوں کے معتمدین نے کرنل کیز، رزیڈنٹ بہادر وقت، کے ساتھ پورے رقبۂ منظمہ کی گشت لگا کر مسترد شدہ علاقے کا معائنہ فرمایا اور رسم حوالگی عمل میں آئی۔ رزیڈنسی روڈ اور رزیڈنسی بازار کا نام علی الترتیب "شاہ راہ عثمانی" اور "سلطان بازار" رکھا گیا۔ رقبۂ رزیڈنسی کی واپسی کے ضمن میں سرکاری اعلان اور ضوابط نظم ونسق جریدۂ غیر معمولی مورخۂ ۹ تیر ۱۳۴۲ف میں شائع ہوئے جن سے چند امور کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) وہ پورا رقبۂ منظمہ رزیڈنسی جو رزیڈنسی بازار کے نام سے موسوم

تھا، سرکارِ عالی کو واپس ہوا۔

(۲) رزیڈنسی کوٹھی علی حالہ صاحب عالی شان بہادر (رزیڈنٹ) کے قبضے میں رہے گی۔

(۳) صاحب عالی شان بہادر کے سکونتی مکان کے علاوہ جملہ ملحقات و متبعات، نیز اسسٹنٹ سکرٹری کا مکان سکونہ اور وہ دیگر مقامات جو احاطۂ کوٹھی کے اندر واقع ہیں حوالگی کے اثر سے محفوظ رہیں گے اور اُن پر حسبِ دستور صاحب عالی شان بہادر (رزیڈنٹ) کا قبضہ و اقتدار باقی رہے گا۔

(۴) گرجائیں اور عیسائی قبرستان مختلف انتظامی مجالس کے تحت کام کریں گے اور سرکار عالی کے حدود میں داخل متصور ہوں گے۔

(۵) احاطۂ رزیڈنسی کے باہر سو سو گز کے فاصلے تک کسی جدید مکان کی تعمیر یا موجودہ مکانوں کے بلند کرنے کی اجازت سرکار عالی کی جانب سے نہیں دی جائے گی۔

اِس انتظام کے بموجب رزیڈنسی ہسپتال سرکار عالی کو مسترد ہوا۔ شفاخانے کی عقبی عمارتیں جن میں عدالت اور رجسٹرار کا دفتر، وغیرہ تھا نیز مکان سکونتی اسسٹنٹ سرجن رزیڈنسی ہسپتال حسب حال پورے حقوق ملکیت کے ساتھ صاحب عالی شان بہادر (رزیڈنٹ) کے قبضے میں ہے۔ رزیڈنسی کی جملہ پبلک عمارتیں، وغیرہ، سررشتۂ تعمیرات سرکار عالی کے قبضے میں ہیں۔ امپیریل بنک پر تمام ضروری ذمہ داریوں کے ساتھ حکومت آصفیہ کا فوجی پہرہ ہے۔ پورا رقبۂ منظمہ رزیڈنسی، کوتوالی بلدہ کے انتظام میں ہے۔ اِسی طرح امور مذہبی، مساجد، منادر، مقابر، وغیرہ، سب حضور نظام کی حکومت کی نگرانی و حفاظت میں آگئی ہیں۔

استرداد رزیڈنسی عہد عثمانی کا ایسا زرّین کارنامہ ہے کہ اہلِ ملک اور آنے والی نسلوں کے دلوں پر اعلیٰ حضرت آصف جاہ سابع خسرو دکن کا نام نامی ہمیشہ نقش رہے گا۔ چونکہ یہ رقبہ سرکار نظام کے حدود اختیارات سے بالکل ملحق تھا اور اس کے استرداد سے آس پاس کی دو عملی مٹ گئی اس لیے رعایا کو آمد و رفت اور کاروبار کی سہولتیں حاصل ہوگئیں رعایائے سرکارِ عالی نے اس کا اعتراف متعدد جلسوں میں کیا ہے۔

مسئلہ برار

صوبۂ برار، وسط ہند کا نہایت ہی زرخیز خطہ ہے۔ اس کا احاطہ ۱۷۷۶۶ مربع میل ہے اور اس کی آبادی کم و بیش (۳۵) لاکھ ہے۔ جہاں تک رقبہ کا تعلق ہے یہ صوبہ ہندوستان کی کئی بڑی ریاستوں سے بڑا ہے اور یورپ کی بھی چند سلطنتیں اس سے رقبے میں کم ہیں۔ اس کی سالانہ آمدنی دو کروڑ ہے جو ہندوستان کی متعدد دیسی ریاستوں کے محاصل سے زیادہ ہے۔

اس صوبے کے والی اعلیٰ حضرت نظام دکن ہیں۔ مملکت حیدرآباد نے کنٹیجنٹ کا قرض ادا کرنے کی غرض سے ۱۸۵۳ء میں یہ صوبہ انتظاماً برطانوی حکومت ہند کے حوالے کیا تھا اور ۱۹۰۲ء تک رزیڈنٹ حیدرآباد چیف کمشنر صوبہ کی خدمت انجام دیتے تھے۔ مگر ۱۹۰۲ء کے تعہد کے بعد اس کا الحاق صوبۂ متوسط (سی۔ پی۔) سے ہوگیا اور فی الحال اس کی حیثیت سی۔ پی۔ کی ایک کمشنری کی رہ گئی ہے۔

برار کے استرداد کے مطالبے کا مسئلہ ابتداء سے اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کے پیش نظر رہا ۔ چنانچہ باب حکومت کے افتتاح پر اعلیٰ حضرت اقدس و اعلیٰ نے جو تقریر فرمائی تھی اُس میں برار کی واپسی کے مطالبے کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ تقریر کا اقتباس درج ذیل ہے :

" . . . کونسل کی کارگزاری اسی طرح قابلِ قدر ثابت ہو گی جس طرح امور سیاسی میں مابدولت اور سرکار عظمت مدار کے تعلقات کے لحاظ سے مفید ہو سکتی ہے ۔ یہ تعلقات ہمیشہ دوستانہ رہے ہیں ۔ کیا زمانۂ سلف میں کیا آج ۔ اقلیم ہند میں آغاز حکومت برطانیہ سے تا ایں وقت اس خاندان کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا سلسلہ برابر قائم رہا ہے ۔ ایک سے زیادہ معرکوں میں سلطنت برطانیہ کی حرمت و بقا کے لیے شمشیر آصف جاہی نیام سے نکل چکی ہے ۔ حال کی جنگ عظیم میں جس سے ابھی سلطنت برطانیہ فتحمندی کے ساتھ فارغ ہوئی جو کچھ امداد مابدولت کی جانب سے کی گئی وہ محتاج بیان نہیں ہے ۔ ان خاص حالات میں باب حکومت کو واپسی ملک برار کے اہم مسئلے کے متعلق غور کرنے کا ایسا نادر موقع ہمدست ہو گا جس کا مستقبل نہایت خوش آیند ہے ۔ مابدولت کی مملکت کے اس جزو لاینفک کا دعویٰ انصاف اصلی پر مبنی ہے ۔ اور اگر اس کی تنقیح بلا طرف داری کی جائے تو یہ امر خارج از قیاس ہے کہ وہ دعویٰ قابلِ تسلیم نہ قرار پائے ۔ پس اس اہم مسئلے کی نسبت کونسل کے مشورے کا مابدولت کو خاص دلچسپی کے ساتھ انتظار ہے "

اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی ۱۹۱۱ء میں سریرآرائے سلطنت ہوئے ۔ آپ کے زمام امور ہاتھ میں لینے کے تین ہی سال بعد جنگ عظیم شروع ہوئی جس میں برطانوی حکومت کے لیے موت و زیست کا سوال درپیش ہو گیا اور

جنگ عظیم کے کامیاب اختتام کے بعد ہی ہندوستان میں ستیا گرہ، خلافت اور ترک موالات کی تحریکیں شروع ہوگئیں، جنھوں نے کچھ عرصے کے لیے برطانوی حکومت کی سیاسی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔ ان نازک اور پیچیدہ سیاسی حالات میں اعلیٰ حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے حقوق طلب کر کے سلطنت برطانیہ کی پریشانیوں میں مزید اضافہ کرنا اپنی روایات خاندانی کے خلاف سمجھا بلکہ اُس وقت ایسی امداد فرمائی کہ اُس سے برطانوی حکومت کی بنیادیں مستحکم ہوگئیں جس کی خود حکومت ہند معترف ہے۔

آخر جب یہ ہنگامہ و اضطراب کا دور بھی ختم ہوا اور برطانوی حکومت تمام داخلی و خارجی مشکلات سے نجات پا کر نسبتہً پُرسکون حالت میں آگئی تو اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے یہ مناسب سمجھا کہ اپنے کھوئے ہوئے صوبے کی واپسی کا مطالبہ فرمائیں۔ اِس غرض کے لیے ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو حضور ممدوح نے لارڈ ریڈنگ، وایسرائے وقت، کے نام ایک مکتوب ارسال فرمایا جس میں برار کے متعلق سب دعاوی وضاحت کے ساتھ مندرج تھے اور اِس کے ساتھ ایک یادداشت بھی منسلک فرمائی جو اعلیٰ حضرت کے دعاوی کے متعلق تمام دستاویزی شہادتوں پر مشتمل تھی۔ یہ خط جنوری ۱۹۲۴ء کے اواخر میں عام طور پر شائع ہوا تھا۔

اِس کے بعد اِس مسئلے نے مختلف منازل طے کیے۔ بالآخر اواخر نومبر ۱۹۳۳ء میں جب ہزایکسلنسی لارڈ ولنگڈن، موجودہ وایسرائے، حیدرآباد تشریف لائے تو اسٹیٹ بنکوٹ کے موقعے پر ہزایکسلنسی نے اپنی تقریر میں برار کے متعلق اطمینان بخش اعلان فرمایا؛ چنانچہ یکم دسمبر ۱۹۳۳ء مطابق ۲۷ ردی ۱۳۴۳ ف م ۱۲ شعبان ۱۳۵۲ ہجری کو اعلیٰ حضرت اقدس و اعلیٰ

کا یہ فرمان مبارک شائع ہوا:

"ہز اکسلنسی وایسرائے بہادر میری ریاست سے روانہ ہوجانے کے قبل اور باعتراف اِس اعلان کے جو اُنھوں نے اسٹیٹ بنکوٹ کے موقعے پر فرمایا ہے میں اِن جدید انتظامات کے متعلق اپنا اطمینان ظاہر کرنا چاہتا ہوں جو سرکار عظمت مدار کے ساتھ تاگیہ گفت و شنید کے نیتجے کے طور پر ہندوستان میں وفاقی دستور قائم ہونے پر میرے ملک برار کے آیندہ نظم و نسق کی نسبت عمل میں آئیں گے۔ میری رعایا کو ان تدابیر کے تفصیلی اعلان کا سخت انتظار رہے گا جن کی مدد سے میرے ملک برار کا نظم و نسق اس خطۂ ممالک ملک معظم کے ساتھ جو بنام ممالک متوسط موسوم ہے بہ مثل ایک صوبۂ واحد کے ہوگا جس کا نام 'ممالک متوسط و برار' رہے گا اور برار پر میری سلطنت عملاً اِس طرح محیّز ہوگی کہ اِس میں شک و شبہہ کی گنجایش نہ رہے گی۔ برٹش گورنمنٹ اور میری گورنمنٹ دونوں کو امید ہے کہ ہندوستان کا دستوری نشو و نما بزودی ممکنہ اعلانِ مذکور کی اجازت دے گا تاکہ ابواب طے شدہ سے مجھے جو اطمینان حاصل ہوا ہے اُس میں میری رعایا بھی شریک ہوسکے۔"

برار کے متعلق اِس نیتجے کا پیدا ہونا عہد عثمانی کا وہ کارنامہ ہے جو دکن کی تاریخ میں ہمیشہ کے لیے یادگار رہے گا۔

فوج

سررشتۂ فوج ممالک محروسہ سرکار عالی کا ایک اہم سررشتہ ہے۔ قدیم زمانے میں جملہ عساکر آصفیہ اُنھی فوجوں پر مشتمل تھے جن کو نظم جمعیت کہا جاتا ہے۔ یہ فوجیں قدیم آئین کے موافق بعض کمندانوں کے اور بعض جمعداروں کے اور

رسالداروں کے تحت ہیں اور ان میں وراثت کا قانون جاری ہے، قواعد، پریڈ، ڈریس، وغیرہ، سے یہ لوگ مستثنیٰ ہیں۔ اسی نظم جمعیت میں وہ فوجیں بھی داخل ہو گئیں جو فرانسیسی اور انگریزی افسران فوج کے زیر کمان تربیت پا چکی تھیں، مگر اس صدی کے آغاز میں جدید فوجی تنظیم کے نقطۂ نظر سے وہ بے قاعدہ تصور کی گئیں۔

مملکتِ آصفیہ کی ایک بہترین فوج جو سوار و پیادہ و توپ خانہ و سفر مینا اور جملہ ضروریات جنگ سے آراستہ ہے، برطانیۂ ہند کی اعانت کی غرض سے کمانڈر ان چیف افواج ہند کی زیر نگرانی و انتظام دے دی گئی تھی۔ اس فوج کا نام کنٹیجنٹ تھا اور اس کے اخراجات کے لیے مملکت حیدر آباد کا پورا ایک صوبہ برار گورنمنٹ ہند کو امانۃً سپرد کیا گیا تھا۔ اس کارروائی کا مفصل بیان بہت طویل ہوگا اس لیے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ الغرض اس فوج سے قطع نظر کر کے جس میں اب کوئی اصلاح و نگرانی ہمارے ظلّ اللہ کے ذمّے نہیں ہے، مابقی وہ فوج جو خود اعلیٰ حضرت بندگان عالی نے اپنے ذاتی اختیار سے تقرر فرمائی ہے اُس کے چند محاسنِ انتظام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

حضرت غفراں مکاں نواب میر محبوب علی خاں مرحوم و مغفور کے زمانے سے ممالک محروسہ کی باقاعدہ افواج بھی گورنمنٹ برطانیہ کی ضرورتوں پر میدان جنگ میں شریک ہونی شروع ہوئیں اور ہمارے اعلیٰ حضرت بندگان عالی کے زمانۂ حکمرانی میں گورنمنٹ برطانیۂ ہند کی مجبوریاں اس قدر بڑھ گئیں کہ افواج آصفی سے بھی بہت کچھ مدد لینی پڑی اور بڑی بڑی آزمایشوں میں کامیابی کا سہرا ان کے سر رہا۔ اس علاقے میں بھی اعلیٰ حضرت بندگان عالی

نے بہت توجہ مبذول فرمائی اور واقعات وحوادث جو حضورِ ممدوح کے زمانۂ حکمرانی میں ملک معظم شہنشاہ انگلستان کی گورنمنٹ کو رونما ہوئے اُن کے لحاظ سے حیدرآبادی فوج میں بھی غیرمعمولی ردوبدل ہوئے اور نئی نئی اصلاحات وترقیات کے طوفان موجزن ہو گئے۔

سنہ ۱۳۲۲ فصلی تک افواج آصفی کی جملہ تعداد ۲۸۷ و ۲۰ تھی جس میں ۹۸۵ و ۶ فوج باقاعدہ اور ۳۰۲ و ۱۳ فوج بےقاعدہ نظم جمعیت کی تعداد تھی اور مصارف تقریباً باون لاکھ روپے تھے لیکن کچھ تبدیلی عمل میں آکر فوج باقاعدہ میں اضافہ اور بےقاعدہ نظم جمعیت میں کمی ہوگئی؛ چنانچہ سنہ ۱۳۴۱ ف میں جملہ افواج آصفی کی تعداد (۷۹۵ و ۱۹) قرار پائی جس میں (۲۰۰ و ۷) فوج باقاعدہ اور ۵۹۵ و ۱۲ فوج بےقاعدہ کی تعداد رہی اور کل مصارف ۹۹۳ و ۱۳ و ۲۴ روپیہ کی بیشی کے ساتھ (۵۲۰۰ و ۹۵ و ۷۵) روپے ہوئے۔ افواج باقاعدہ کی تنظیم، جدید اصول پر کی گئی؛ ناکارہ ملازمین کو برطرف کرکے اُن کی جگہ نئے ملازمین بھرتی کیے گئے اور باقاعدہ فوجی تعلیم دی گئی۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہوئی اور گورنمنٹ ہند نے (حیدرآباد) امپیریل سرویس ٹروپس کی خدمات کا مطالبہ کیا؛ چنانچہ امپیریل سرویس ٹروپس کے دونوں رسالے بھیج دیے گئے۔ اِن فوجوں میں سے ایک رسالہ میدان جنگ میں شریک ہوا اور دوسرا آیندہ ضرورت کے لیے محفوظ رکھا گیا۔ (یہ فوجیں تقریباً چھ سال کے بعد محاذ جنگ سے سنہ ۱۹۲۰ء میں یکے بعد دیگرے واپس آئیں۔)

جو نمایاں خدمات حیدرآباد کے رسالے نے میدان جنگ میں انجام دیں

اُن کی تفصیل "پندرھویں امپیریل سرویس کویلری برگیڈ کی تاریخ" میں درج ہے جو ملک معظم کے حکم سے لندن میں طبع ہوئی ہے۔ حیدر آباد لانسرز کی وفاداری، بہادری اور جانبازی کا میجر جنرل جی۔ ایس۔ ایم شیا اور بریگیڈیئر جنرل سی۔ آر۔ ہاربورڈ نے پُرزور الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

(حیدر آبادی فوج کی دلیری و بہادری کی خود اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے بھی قدر فرمائی، مقتولین کے پس ماندوں کو وظائف اور اُن کی اولاد کو فوجی مدارس میں اور قابلِ ملازمت نوجوانوں کو ملازمت فوج میں داخل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ مجروحین اہلِ فوج سے جو لوگ بالکل کام کے لائق نہ رہے تھے اُن کو وظائف معذوری دیے گئے یا سیول علاقوں میں اُن کے لائق خدمات پر مامور کرنے کا حکم دیا گیا۔ جن اہلِ فوج نے کارہائے نمایاں کیے اور متعلقہ عہدہ داروں نے اُن کی جاں بازی و وفاداری کی تصدیق کی اُن کو نقد انعام، ترقی عہدہ سے سرفراز کیا گیا اور بعض سپاہیوں کو بطور صلہ اراضی زراعتی کے رقبے تفویض کیے گئے تاکہ اُن کے تعوق اور سرخروئی کی یادگاریں نسلاً بعد نسلٍ اُن کی اولاد میں چلتی رہے۔ یہی نہیں بلکہ افواج کنٹنجنٹ (جو بالکل برٹش انڈیا کے زیرِ اہتمام ہے) کے سپاہیوں کو بھی کمانڈر ان چیف گورنمنٹ ہند کی سفارش پر ممالک محروسہ کے متعدد اضلاع میں اراضی زراعتی رقبے بطور انعام دیے گئے جن پر ان سپاہیوں کی اولاد آج تک قابض و متصرف ہے۔

جنگ عظیم کے دوران میں سب سے زیادہ غیر معمولی امداد جو ہمارے اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی طرف سے ملک معظم کی گورنمنٹ کو پہنچی وہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کا وہ اثر تھا جو تمام ہندوستان کے دلوں میں موج زن تھا۔ آپ نے بڑی سرگرمی سے مسلمانانِ ہند کو سلطنت برطانیہ ہند پر بھروسا کرنے اور ایسے

نازک وقت میں وفادار رہنے کی تعلیم دی ۔ یہ امداد اس قدر قوی اور موثر رہی کہ تمام ہندوستان کے طول و عرض میں امن و وفاداری کے خلاف بہت کم حادثات پیش آئے اور گورنمنٹ ہند کو مختلف اقطاعِ ہند سے ہزار ہا مسلمان رنگروٹ بہم پہنچ گئے ، چنانچہ انگلستان اور ہندوستان کے تمام جلیل القدر سیاسی و فوجی اہلِ حکومت نے اعتراف کیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے تحریکوں سے جنگ برطانیہ عظمیٰ میں بالذات حصہ لیا ، ان میں بیشتر تحریکیں اعلیٰ حضرت نظامِ دکن ہی کی تھیں ۔ ظاہر ہے کہ کوئی تحریک اُس وقت تک موثر نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود محرک اُس کا عامل نہ ہو ۔ اعلیٰ حضرت حضور پُرنور مدظلہ العالی نے اپنی عزیز رعایا کو بھی ہزار ہا کی تعداد میں فوج میں بھرتی کرا کے جنگ یورپ کے مختلف محاذوں پر روانہ کیا اور اس کے ساتھ یہ بھی پابندی کے ساتھ پیش نظر رکھا کہ حتی الوسع رعایا کو خوشی کے ساتھ اس جاں بازانہ خدمت پر آمادہ کیا جائے اور کوئی سختی نہ ہونے پائے ۔

اس کے علاوہ عین دورانِ جنگ یورپ میں جب کہ حضور ملک معظم کی گورنمنٹ سخت مالی مشکلات میں گرفتار ہو کر اپنے معمولی سکون و وقار میں تزلزل محسوس کر رہی تھی ، اعلیٰ حضرت بندگان عالی نے قرض جنگ ، بحری و بری افواج انگلستان کی امداد اور مختلف فوجی شعبوں کی تنظیم کے لیے ایسی بیش قرار نقد رقمیں پیش کی ہیں کہ اُن کی نظیر نہیں ملتی اور ایسے موقعے پر بنک آف لنڈن کی ایسی مالی امداد کی کہ اگر یہ امداد نہ ہوتی تو انگلستانی بنک کی ساکھ جاتی رہتی ۔

الغرض اس قسم کی مخلصانہ اعانتیں جو مجموعۃً کروڑ ہا روپے نقد سے تھیں دورانِ جنگ میں گورنمنٹ برطانیہ کو پہنچیں ۔ اس کے علاوہ اپنے علاقے کے اکثر کارخانے یورپ کے جنگ آزما سپاہیوں کی ضرورتوں کے لیے وقف کر دیے

اور جو کچھ مال یا سامان یہاں تیار ہوا اُس کے اخراجات بھی گورنمنٹ ہند سے نہیں لیے۔

اِس غیر معمولی محبت و خلوص کے اثر سے تمام انگلستان گونج اٹھا اور ختم جنگ پر حضور ملکِ معظم نے "ہز اگزالٹڈ ہائنس" کے ساتھ ساتھ "یار وفادار سلطنت برطانیہ" کے القاب سے اپنے دستخطی پیام میں مخاطب فرمایا اور ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز اور ایک سے زیادہ وایسرایوں اور رزیڈنٹوں نے حضور ممدوح کی اِن تمام بیش بہا اعانتوں اور پُر خلوص جذبات پر نہ صرف تحسین و آفرین کی بلکہ پُر زور الفاظ میں شکریہ بھی ادا کیا۔ جہاں آشوب جنگ یورپ کے ختم پر جن مبارک بادی پیاموں کا ہمارے اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی اور حضور ملکِ معظم کے مابین بذریعۂ تار برقی تبادلہ ہوا وہ بہت گراں قدر اور ہمیشہ کے لیے یادگار رہنے والے ہیں، اُن کا ترجمہ درجِ ذیل کیا جاتا ہے:

پیام تہنیت من جانب ہز اگزالٹڈ ہائنس اعلیٰ حضرت بندگان عالی

"دولت برطانیہ کے یار وفادار کی حیثیت سے یور امپیریل میجسٹی کی خدمت میں برطانیہ عظمیٰ اور اُس کے حلیفوں کی نمایاں فتح پر جو تمام دنیا پر چھائی ہوئی جنگ عظیم کے خاطر خواہ خاتمے پر گرم جوشی کے ساتھ اپنی عقیدت مندانہ و مخلصانہ مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ سارے عالم میں غیر متزلزل امن قائم ہو جائے اور اُن برکات میں اضافہ ہو جائے جن سے ساری سلطنت برطانیہ آپ کی درخشاں فرمانروائی میں مستفید ہو رہی ہے!"

حضور ملکِ معظم کا جواب

"اِس ہولناک جنگ کے انجام پر آپ نے جو مہر آمیز اور مسرت پیام روانہ فرمایا ہے

اُس کی میں بڑی قدر کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ امپائر کو آیندہ بہ توفیقِ الٰہی دیرپا امن نصیب ہو! مجھے اس پر فخر و ناز ہے کہ جنگ میں میری ہندوستانی افواج نے ایسی شاندار خدمات انجام دیں اور یور اگزالٹڈ ہائنس اور دیگر والیان و سردارانِ ہند نے ہمیشہ بڑے غیر متزلزل اور موثر طور پر امداد دی ہندوستان، اس کے رؤسا اور اس کے اقوام کی شجاعت کی یاد امپائر میں تا ابد تازہ رہے گی۔ میری تمنا ہے کہ افواج حیدرآباد کی گراں بہا خدمات پر آپ کو بذاتِ خود مبارک باد دوں۔"

حیدرآباد کی رعایا و برایا کو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے کہ خاندانِ آصفیہ کے زیر سایہ کئی صدی سے وہ امن و آسایش سے زندگی بسر کر رہی ہے اور اس قیامِ امن میں فوج کا بھی حصہ ہے جس کی بہتر سے بہتر تنظیم کے لیے متعدد انتظامات اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی دُور بین نظروں نے کیے، برٹش انڈیا کے فوجی عہدہ داروں سے مشورے فرمائے، اور ہز اکسلنسی کمانڈر ان چیف، افواجِ ہند، کی سفارش سے کئی کرنلوں اور لفٹننٹ کرنلوں کی خدمات کو عارضی طور پر منتقل فرما کر قسم قسم کی اصلاحات پر اُن سے رپورٹیں حاصل کیں، اور آخر کار سررشتۂ فوج کے حسنِ انتظام، اور ملک میں سپاہیانہ زندگی کی قدر و منزلت بڑھانے کی خاطر بتاریخ یکم ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ ہجری مطابق ۸ شہریور ۱۳۴۳ف حضرت والاشان نواب اعظم جاہ بہادر ولی عہد مملکت آصفیہ کو ایک فرمان کے ذریعے سپہ سالاری کا جائزہ دلوا دیا۔

ولی عہد بہادر والاشان کے سپہ سالار ہونے سے علاوہ اس کے کہ فوج کی عزت میں چار چاند لگ گئے، بہادر ممدوح الشان کو اپنے ملک کی فوج کے مسائل اور اُن تمام سیاسی فوجی تعلقات کے مطالعے کا موقع مل گیا جو گورنمنٹ

آف انڈیا اور گورنمنٹ آصفیہ کے درمیان ہمیشہ زیرِ گفتگو رہا کرتے ہیں۔ فوج کی وقعت یوں دوبالا ہوگئی کہ اُن کا کمانڈر ان چیف خود اُن کی جان اور اُن کی قومیت کا مالک ہے اور وارث تخت و تاج ہے۔

حضرت ولی عہد والاشان بہادر نے سپہ سالاری کا جائزہ لیتے ہی فوج کے بہترین انتظامات کی جانب توجہ مبذول فرمائی حضرت ممدوح الشان کی اِس دلچسپی سے سررشتۂ فوج کی باقاعدگی و خوش نظمی کے ساتھ افسروں اور سپاہیوں، اور افسروں کی ذمہ داریوں، مستعدی اور انتظامی سرگرمی پر بہت اچھا اثر رونما ہوگیا ہے۔

مذہبی رَواداری

(مغل بادشاہوں نے، سب سے پہلے ہندوستان کو مذہبی رواداری سے واقف کیا، شہنشاہ بابر وہمایون اور خصوصاً شہنشاہ اکبر اعظم کی طرزِ حکمرانی کا تمام دُنیا کو اعتراف ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کو مورّخین کے ایک گروہ نے تعصب مذہبی کا الزام دیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ملک دکن کے مندروں اور دیہات کے پروہتوں کی جاگیریں، اگرہار اور انعامات و مقطعہ جات سیکڑوں ایسے ہیں جن کی سند دربار اورنگ زیب عالمگیر سے عطا ہوئی ہے اور اُن کے داخلے ممالک محروسہ سرکار عالی کے متعلقہ دفاتر میں محفوظ ہیں۔ یہی روادارانہ رسم خاندان آصف جاہی کا آئین ہے جس کو گورنمنٹ برطانیۂ ہند کے اعلانِ آزادی مذہب نے اور بھی مستحکم و پختہ کردیا ہے۔)

خاندانِ آصفیہ ہمیشہ سے رعایا کی مذہبی آزادی کا طرف دار رہا ہے اور

کبھی کسی فرقہ، رعایا کی ادائے مراسم و عبادات میں خلل انداز نہیں ہوا ہے۔
خاص کر ہمارے زمانے میں اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے اپنی خاندانی روایات میں چار چاند لگا دیے ہیں۔ آپ کے دورِ حکومت میں ناقوس کی جھنکار اذان کی صدا کے ساتھ سنائی دیتی ہے۔ آتشکدوں کے بھڑکتے ہوئے شعلے دھیمے نہیں ہونے پاتے، گرجاؤں میں صلیبوں کے نشان بلند اور گھنٹوں کی آوازیں گونجتی رہتی ہیں، غرض ہر فرقے کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔
بہت سے کائستھ، چھتری، برہمن، تلنگے، مرہٹے، ریڈی، شیعہ، وغیرہ، آصف جاہی امرا میں داخل ہیں اور بڑی بڑی جاگیرات ہمستان اور مناصب کے مالک ہیں۔ اس فہرست میں بعض نام انگریزوں، پارسیوں، فرانسیسی نسل کے عیسائیوں اور سکھوں کے بھی ملتے ہیں جو ہماری سرکار میں پشتہا پشت سے منصب پا رہے ہیں۔
مملکت آصفیہ کی بے تعصبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم ادارات مذہبی جن میں مندر، دہرم سالے، گوسالے، جاترا، رتھوں کے جلوس، دیو کے جلوس، پروہت، نجومی برہمن، بھکشا استھان، گرو کی مد معاش، کتھا کہنے والے، گرجا، آتشکدے، گردوارے شامل ہیں تعداد میں تقریباً بارہ ہزار ہیں جن کو سرکار سے تنخواہ، یومیہ، معمول، انعام، وغیرہ، مقرر ہے۔
برخلاف اس کے مسلم ادارے جن میں مساجد، عاشور خانے، درگاہیں، خانقاہیں، مذہبی مکاتب، قاضی، مفتی، پیر، وغیرہ، ہیں تعداد میں کل پونے پانچ ہزار ہیں جن کو سرکار سے تنخواہ، یومیہ یا انعام ملتا ہے۔ علاوہ اس فیاضی کے بہت سے عظیم الشان ادارات ہنود وہ ہیں جن کو ہزاروں اور لاکھوں کے دیہات بطور جاگیر مد معاش واگرہار دیے گئے ہیں۔

اکثر مہذب ملکوں میں مذہبی رواداری کے اعلان کے ساتھ غیر مذہبوں اور غیر قوموں کے درمیان ایک حد فاصل قائم رکھی جاتی ہے، چنانچہ انگلستان میں عہد ملکۂ وکٹوریہ کے پہلے تک یہودی کے معنی قریب قریب ایسے ہی تھے جیسے کہ ہندوستان میں شودر اور بنیے کے ہوتے ہیں اور باوجودیکہ شودر اور بنیے ہندوستان میں سرکاری اعلیٰ خدمات کے حصول سے کبھی محروم نہیں رہے، انگلستان میں قدیم زمانے میں یہودی سرکاری خدمات اور رکنیت پارلیمنٹ کے حصول سے بالکل محروم تھے۔ الغرض یہودیوں کی محرومی اُس وقت تک قائم رہی جب تک برطانیۂ عظمیٰ کی حکومت خود اپنے مذہب سے بالکل بے پرواہ نہیں ہوگئی۔ مگر آصف جاہی حکومت میں پہلے سے حاکم و محکوم اقوام کے درمیان کوئی مذہبی حدِ فاصل نہیں رہی باوجودیکہ شاہانِ آصفیہ اپنے مذاہب کے پابند رہے ہیں۔

اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی نے خاندانی روایات رواداری سے چند قدم آگے بڑھ کر اپنی رعایا کی دل جوئی فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ جب کئی برس تک ہندوستان کے گاؤ کشی کے فسادات سے وہاں کی رعایا متاثر ہوتی رہی تو آپ نے ذریعۂ فرمانِ مبارک اپنے قلمرو مملکت میں گاؤ کشی کی ممانعت فرمادی۔ یہ واقعہ عہدِ عثمانی کی وہ مستقل یادگار ہے جو ہنود کے دلوں پر نقش ہے اور کبھی نہیں مٹے گی۔ حکومت کے ایسے ہمت افزا برتاؤ سے ہندو مسلم اتحاد کی بے مثل نظیر قائم ہوگئی ہے اور باوجودیکہ ہندو مسلم فسادات سے ہندوستان کی فضا ہمیشہ مکدر رہتی ہے حیدرآباد میں رعایا کی باہمی یک جہتی کو استحکام ہوتا جا رہا ہے اور دکن میں سب قومیں اپنے مذاہب کی پابندی کے باوجود ایسی شیر و شکر ہیں کہ سب کی ایک ہی قومیت معلوم ہوتی ہے۔

اگر عیسائی مشنری پادری نہ مسلمانوں کے مناظر مُلّا اور ہندوؤں کے آریہ سماج

یک قلم قدرتی طور پر گنگ ہوجائیں تو ہمارا دعویٰ ہے کہ اعلیٰ حضرت کے قلمرو حکومت سے دنیاوی معاملات میں معیارِ قوم و ملت بالکل جاتا رہے گا کیونکہ معاشرت میں اختلاط باہمی کی وجہ سے کوئی بیّن فرق نمایاں نہیں ہے۔

مستقبل

اِن چند اوراق میں دکن کے عصر جدید کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنے سے راقم الحروف کا مقصد یہ ہے کہ قارئین کرام ایک سرسری نظر میں اُن ترقیات سے جو ظہور پذیر ہوچکیں اور اُس داغ بیل سے جس پر آیندہ ترقیات کی بنیادیں کھڑی ہوں گی ایک حد تک واقف ہوجائیں اور پہلی ہی نظر میں یہ اندازہ کرسکیں کہ واقعات بیّنہ اور حالاتِ مذکورہ سے اُس شاندار مستقبل کی توقع کی جاسکتی ہے جس کی شعاعیں اعلیٰ حضرت سُلطان العلوم کی ہمت افزا حکومت کے پُر نور افق پر رونما ہوچکی ہیں۔

ہر متمدّن و شایستہ مملکت میں حکومت کے ذمّے دو طرح کے فرائض ہوتے ہیں: ایک تو موجودہ خوبیوں کا استحکام و بقا جن کو حکمائے یونان نے "نیکیوں" سے موسوم کیا ہے، دوسرے آیندہ خوبیوں کا قیام و ارتقا۔ قارئین کرام نے پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی حکومت اِن دونوں اساسی اصول پر قائم اور کاربند ہے۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مملکت کے ایک ایسے وزیر کے اصولِ سیاست کو یہاں نقل کردیں جو مالیاتی، سیاسی اور تعلیمی امور میں ہر لحاظ سے حاکم و محکوم دونوں کے نزدیک یکساں اعتبار رکھتا ہے۔ سر اکبر حیدری نواب حیدر نواز جنگ بہادر

نے ۱۹۳۳ء کے جلسۂ طیلسانین، جامعۂ عثمانیہ، میں جو خطبہ پڑھا تھا اُس کا جستہ جستہ اقتباس ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

"اب میں آپ سے مختصر طور پر اُن معاملات کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جو ہمارے حیدر آباد کے لیے نہایت اہمیت رکھتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔"

"آپ کو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ جو لوگ آپ کے پیشرو اور آپ کے امین ہیں اپنا فرض امانت کس طرح پورا کرتے ہیں اور آپ کے لیے کیا میراث چھوڑ جائیں گے۔ ۔ ۔ ۔"

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ اِس سے باخبر رہیں کہ خود آپ کے زمانے میں کیا ہو رہا ہے۔ بغیر اِس کے کہ آپ سیاست میں دخل دیں، آپ کو اپنے زمانے کے سیاسی نظام اور سیاسی تحریکوں کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ ۔ ۔ ۔"

"قبل اِس کے کہ میں اندرونِ ملک کے معاملات کا ذکر کروں میں اِس کی تشریح کر دینا چاہتا ہوں: ظاہر ہے کہ ہمارے لیے سب سے مقدم یہ بات ہے کہ ہم حیدر آبادی ہیں، اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ ہمارے فرمانروا ہیں اور حضور پُرنور کے سوا ہم کسی کی فرمانروائی کو تسلیم نہیں کر سکتے مگر اِس کے ساتھ ہم ایک بڑے کل کے اجزا ہیں جس سے جغرافی حالات اور نسلی تعلقات کی بدولت ہمارا رشتۂ اتحاد قائم ہے۔ اِس کل سے مراد "ہندوستان" ہے۔ اِس خیال کو دل میں لے کر اعلیٰ حضرت کے منشائے مبارک کے مطابق حیدر آباد، گول میز کانفرنس کے دستور اساسی کے مباحثوں میں شریک ہوا جو انجام کو پہنچ چکے ہیں۔ ۔ ۔ ۔"

"اِن دو بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے، یعنی اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ کی فرمانروائی کا بدستور قائم رہنا، اور حضور پُرنور کا اتحادِ ملکِ معظم

کے ساتھ اُسی شان سے باقی رہنا —— ہم نے اپنے ہندوستانی بھائیوں کو جہاں تک ممکن تھا اس بات میں پوری پوری مدد دی کہ وہ دستورِ اساسی کے معاملے میں جس طرح چاہتے ہیں ترقی کر سکیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ ہم نے اِس شرط کے ساتھ کہ ہماری مستقل ہستی اور ہمارے اور ملکِ معظم کے باہمی تعلقات برقرار رہیں بعض معاملات میں برطانوی ہند کے ساتھ شرکتِ عمل بھی منظور کر لی۔ . . . "

"جو کام اِس طور سے انجام پایا ہے اُس کے جانچنے اور ناپنے کے لیے بہت بڑا پیمانہ درکار ہے۔ وہ ہندوستان جو میرے خیال میں اِس وقت تین برس کی کوشش میں معرضِ وجود میں آ رہا ہے گویا ایک درخت ہے اور برطانوی ہند کے صوبے اور ہندوستانی ریاستیں اُس کی شاخیں ہیں جنھیں ایک ہی تنے سے زندگی کا رس پہنچتا ہے . . . اِس درخت کے نصب کرنے میں اعلیٰ حضرت نظامِ دکن کی دور اندیشی اور تدبر کی بدولت حیدر آباد نے نمایاں طور پر حصہ لیا ہے اور حضور پُر نور کی رعایا کو اس بات پر فخر کرنا چاہیے کہ مصالحت باہمی اور تعمیرِ جدید کے اِس عظیم الشان کام میں جو کچھ ہم نے کر دکھایا ہے وہ کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ . . . "

"[تاہم] اِس کے زعم میں ہمیں خانگی مسائل کی طرف سے غافل نہیں ہونا چاہیے، ہمیں معلوم کرنا چاہیے کہ ہمارے ہاں کن چیزوں کی کمی ہے اور کون سی چیزیں ناقابلِ اطمینان حالت میں ہیں۔ ہماری بہت سی کارگزاریاں ایسی ہیں جن پر ہم فخر کر سکتے ہیں۔ ہمارے محصول کی شرح بہت کم ہے ہماری مالیات (فینانس) کی حالت برطانوی ہند کے لیے قابلِ رشک ہے۔ ہمارے انتظامی و عدالتی صیغے جن پر ریاست کی حکومت کا اِنحصار ہے

زیادہ منظّم اور بہتر ہوتے جاتے ہیں۔ ہمارے ذرائع آمد و رفت میں جن میں ریلیں اور شاہراہیں دونوں شامل ہیں، سال بسال توسیع ہو رہی ہے؛ ہمارے حفظانِ صحت، تعلیمات، زراعت و آبپاشی کے محکمے روز بروز ترقّی کر رہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"مختصر یہ کہ نظم و نسق ریاست کے ہر شعبے میں نشو و نما کے آثار نمایاں ہیں۔ ابھی تک فرقہ وارانہ نزاع کا زہر ہمارے ہاں نہیں پھیلنے پایا ہے۔ مگر ہمیں اپنے دل میں سوچنا چاہیے کہ کیا ہمارے ہاں مطلق کسی چیز کی کسر نہیں ہے؟ کیا اور کوئی تدبیر ایسی نہیں ہو سکتی جس سے ممالک محروسہ کے باشندوں کے دائرۂ زندگی میں مزید وسعت پیدا ہو اور وہ بلند تر مدارج پر پہنچ سکے؟ کیا ہم اِس کے زاویۂ نظر کو محدود ہی رہنے دیں، یا اِسے ترغیب دیں کہ آنکھ اٹھا کر دیکھے اور دور تک نظر دوڑائے کہ یہ وسعت نظر خطرے کا گھر ہے یا قوّت کا خزانہ؟"

"یہ سوال میرے دل میں بار بار اٹھتے ہیں اور مجھی پر کیا موقوف ہے، ہر شخص جسے اِس ملک کے لوگوں سے محبت ہے اور سوچنے کی عادت ہے، اِس ادھیڑ بن میں رہتا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"اِس کی کیا تدبیر ہے۔ ۔ ۔ کہ لوگوں کے دلوں میں ایک قوم ہونے کا احساس پیدا کیا جائے، ۔ ۔ ۔ ہم لوگ ایک اعتبار سے سلطنت مغلیہ کی تہذیب و تمدّن کے وارث ہیں، اور یہ تہذیب تغیّر و تبدل کے بعد دکنی قومی تہذیب بن گئی ہے۔ یہ تہذیب نہ ہندوانی ہے نہ اسلامی، بلکہ دونوں کے امتزاج سے بنی ہے اور اِس میں جنوب کا کچھ مخصوص رنگ بھی شامل ہے۔ تہذیب کسی مذہب سے وابستہ نہیں؛ مثلاً ہم یورپ کی تہذیب کو

عیسوی نہیں بلکہ مغربی تہذیب کہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

" حیدرآباد کے پہلے فرمانرواؤں کے زمانے میں دربار کی زبان فارسی تھی ۔ رفتہ رفتہ فارسی ترک کر دی گئی اور اُس کی جگہ اُردو نے جو دکنی اُردو کہلاتی تھی لے لی ، یہی اصل میں ممالکِ محروسہ کی اپنی تہذیبی زبان ہے ، یہ ایک فرقے یا طبقے کی مِلک نہیں بلکہ سب کی مشترک میراث ہے ۔ اِس لیے ہماری زبان ملک کے مختلف عناصر میں اتحاد پیدا کرنے کی بہت بڑی قوت بن سکتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "

" غرض ہمیں اپنے اہلِ ملک کے دل میں مدنیت کا احساس پیدا کرنا چاہیے ۔ ۔ ۔ ۔ سب سے اوّل تو یہ کہ اُنھیں گانو یا قصبے یا ضلع کے معاملات میں حصہ لینے کا موقع دیا جائے ۔ دوسرے اِس امر کی کوشش کی جائے کہ وہ حکومت کے کاروبار سے دلچسپی کا اظہار کریں ۔ "

" پہلے ایسی تدابیر عمل میں لائی جائیں کہ رائے عامّہ وجود میں آئے اور پھر اِس کا انتظام ہو کہ وہ صحیح طریقے پر ترتیب پائے اور حکومت اُس سے متاثر ہو ۔ اِس وقت بھی ہماری حکومت اِس ذمہ داری کے احساس سے خالی نہیں ہے ، جیسی کچھ رائے عامّہ اِس وقت موجود ہے اُس سے حکومت فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے مگر جو چیز رائے عامّہ کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے وہ اکثر اوقات کسی طبقے کی رائے نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی جماعت کی رائے ہوتی ہے جس میں ذاتی اغراض کا شائبہ ہوتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ "

" [لہٰذا] میں جو چیز چاہتا ہوں وہ مختلف طبقوں کی منظم رائے عامّہ ہے ، مثلاً اُس محکمے میں جو میرے سپرد ہے اگر میں مالیات کے متعلق کوئی تجویز عمل میں لاؤں تو اِس بات کے معلوم کرنے کے ذرائع ہونے چاہییں کہ ملک

کے سرمایہ داروں اور تاجروں کا اس کے متعلق کیا خیال ہے، تاکہ اُن کی تنقید پر غور کیا جاسکے اور محکمے کا نقطۂ نظر سمجھا یا جاسکے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘

’’گزشتہ سال اندرونِ ملک قرضے کے اجرا کرنے سے قبل اس کی کوشش کی گئی کہ سب سے پہلے اپنے ہاں کے سرمایہ داروں کو بلا کر اُن سے اس معاملے میں گفتگو کی جائے؛ چنانچہ اُن سے بہت بڑی مدد ملی اور اس کام میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘

’’ اس کامیابی کی بنا تبادلۂ خیالات اور باہمی ہمدردی تھی اور یہ ہمدردی تبادلۂ خیالات کا نتیجہ تھی ۔ میری ذاتی خواہش یہ ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ اس طرح کے مشوروں کا رواج حکومت میں ہو جائے اور اُس کے پاس ایسے ذرائع ہوں کہ اہم معاملات میں اُسے یہ معلوم ہوسکے کہ جو نئی پالیسی وہ اختیار کرنے والی ہے، اُس کے متعلق اُن لوگوں کا کیا خیال ہے، جن پر اُس کا سب سے زیادہ اثر پڑے گا، وہ اُس کے متعلق کیا تجویز پیش کرتے ہیں اور اُس پر کیا تنقید کرتے ہیں ۔ دوسری طرف یہ مفادِ عامّہ کے تحفظ کی بڑی اچھی صورت ہوگی کہ خاص خاص طبقوں کے نمائندوں سے یہ دریافت کیا جاسکے کہ فلاں قانون کا کیا اثر پڑ رہا ہے، انھیں اُس کے عمل درآمد میں کیا نقص نظر آتے ہیں اور اُن کے نزدیک اُن نقائص کے دور کرنے کی کیا تدبیریں ہوسکتی ہیں ۔ اس سے اعلیٰ حضرت کے اقتدارِ شاہی کو بڑی تقویت پہنچے گی اور اعلیٰ حضرت کے اقتدار پر اس سے کوئی پابندی عائد نہیں ہوگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ‘‘

’’میں ۔ ۔ ۔ نے ذاتی حیثیت سے آپ کے سامنے وہ خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے جن کے مطابق میرے خیال میں حیدرآباد کی نشوونما

کا عمل میں آنا مناسب ہوگا۔ یہ کسی تخیل پرست کا خواب نہیں، یہ اُس تجربے کے نتائج ہیں جو مجھے ممالک محروسہ سرکار عالی میں پچیس برس کی خدمت سے حاصل ہوا۔ اور اُس سابقے کے ثمرات ہیں جو مجھے بیرونی دُنیا اور اُن تحریکات اور قوتوں سے پڑتا رہا جو دُنیا پر حکومت کر رہی ہیں۔ میرے مدّنظر سوائے اس کے اور کوئی مقصد نہیں کہ اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہٗ اور دودمان آصفیہ کی عظمت و شوکت میں ترقی ہو اور اُن لوگوں کی فلاح و راحت میں اضافہ ہو جن کی حکومت قضا و قدر نے اعلیٰ حضرت کے دست قدرت میں سونپی ہے۔ اور ممالک محروسہ کے مخصوص مسائل کے چوتھائی صدی کے تجربے اور سالہا سال کے غور و فکر کے بعد میں وثوق کے ساتھ اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مذکورۂ بالا مقاصد کے حاصل کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ممالک محروسہ کے ہر متنفس کے دل میں یہ جذبہ پیدا کر دیا جائے کہ جب وہ اپنے ملک کی شاہراہوں پر چلے تو اُسے یہ محسوس ہو کہ اس کی تشکیل و تعمیر میں میرا بھی حصہ ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ ہے وہ تعمیری نصب العین جس کو اعلیٰ حضرت سلطان العلوم کے بذل و نوال اور سیاسی تدبّر و فرزانہ حکمت عملی کی صدائے بازگشت کہا جا سکتا ہے۔ انھیں عاقلانہ اصول کو بطریق احسن قوت سے فعل میں لانے کے لیے جس طرح مجالس لوکل فنڈ کی بنا، اضلاع میں ڈالی گئی تھی اُسی طرح جدید قانون کے تحت بلدیہ کا قیام دارالسلطنت میں عمل میں لایا گیا ہے۔ درحقیقت یہ وہ درس گاہیں ہیں جہاں نہ صرف تنظیم و اشتراک عمل کا سبق پڑھایا جاتا ہے بلکہ رعایائے ملک کو عملی طور پر اپنے افعال کی ذمہ داری سکھائی جاتی ہے اور باہمی صلاح و فلاح کی صلاحیت پیدا کی جاتی ہے۔ ملک کے ہونہار نوجوانوں کو چاہیے

کہ ان بیش قیمت خیالات کو اپنا لائحہ عمل بنائیں، نسلی، قومی و مذہبی امتیاز
کو دور کر کے ایک قومیت میں منسلک ہو جائیں اور سب مل کر اپنے بادشاہِ
جم جاہ کی حکومت کی قوت اور سلطنت کی وسعت میں سعی کریں،
ہندوستان کی تعلیمی و سیاسی رہنمائی کریں اور اقوام عالم میں اپنی قوم کے لیے
بھی عزت و وقار کی جگہ محفوظ کرائیں۔ ان تمام ترقیات کے ذکر سے جو
ممالک محروسہ سرکار عالی کے ہر شعبے اور ہر ادارے میں رونما ہیں دو مقاصد
پیش نظر ہیں: ایک تو یہ کہ ہم اپنے ترقی یافتہ موقف کا علم حاصل کر کے آگے
بڑھنے کی شاہراہ متعین کریں، دوسرے یہ کہ اعلیٰ حضرت بندگانِ عالی کی
اُس عظمت و ایثار، فراست و تدبیر کے شکرگزار ہوں جو رہتی دنیا تک
حیدرآباد جدید کی تمام آیندہ ترقیوں پر آسمان کی طرح سایہ فگن رہیں گی۔

اِشاریہ

عصر جدید

صحت نامہ عصر جدید

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	کیفیت
۲	۱۵	مرتفع دکن صرف	مرتفع دکن کا صرف	
۳	۵	آغار	آغاز	
۴	۱۰	عارفانہ استقراق	عارفانہ استغراق	
۴	۱۲	تراوش رہی ہے	تراوش کر رہی ہے	
۷	۱۷	مدارت	مدارات	
۸	۲۱	کی تعداد	تعداد	
۱۲	۱۵	کی دور	کے دور	
۱۷	۱۳	خلیل	قلیل	
۲۲	۱۱	شہزادگان	شہزادوں	
۲۵	۱۹	ٹپہ خاسہ (ڈاک)	ٹپہ خانہ (ڈاک)	
۲۶	۱۷ و ۱۸	جن میں ... ارکان ہیں		یہ عبارت مکرر لکھی گئی ہے اس لئے قابل حذف ہے
۲۷	۱	چھ سرکاری ارکان	چھ غیر سرکاری ارکان	
۳۰	۱۲	مشکل	مشکل	
۴۳	۱۲	کی دور حکمرانی	کے دور حکمرانی	
۴۳	۱۷	اخبار بیی	اخبار بینی	
۵۸	۱۵	عثمانیہ ہسپتال	عثمانیہ جنرل ہسپتال	
۷۲	۱۸	حاصل کرنے	حاصل کرنے کے	
۸۱	۱۶	سردیس ٹرویس	سرویس ٹرویس	
۸۱	۱۸	محفوط	محفوظ	
۹۰	۱	طیلسانین	طیلسانیین	